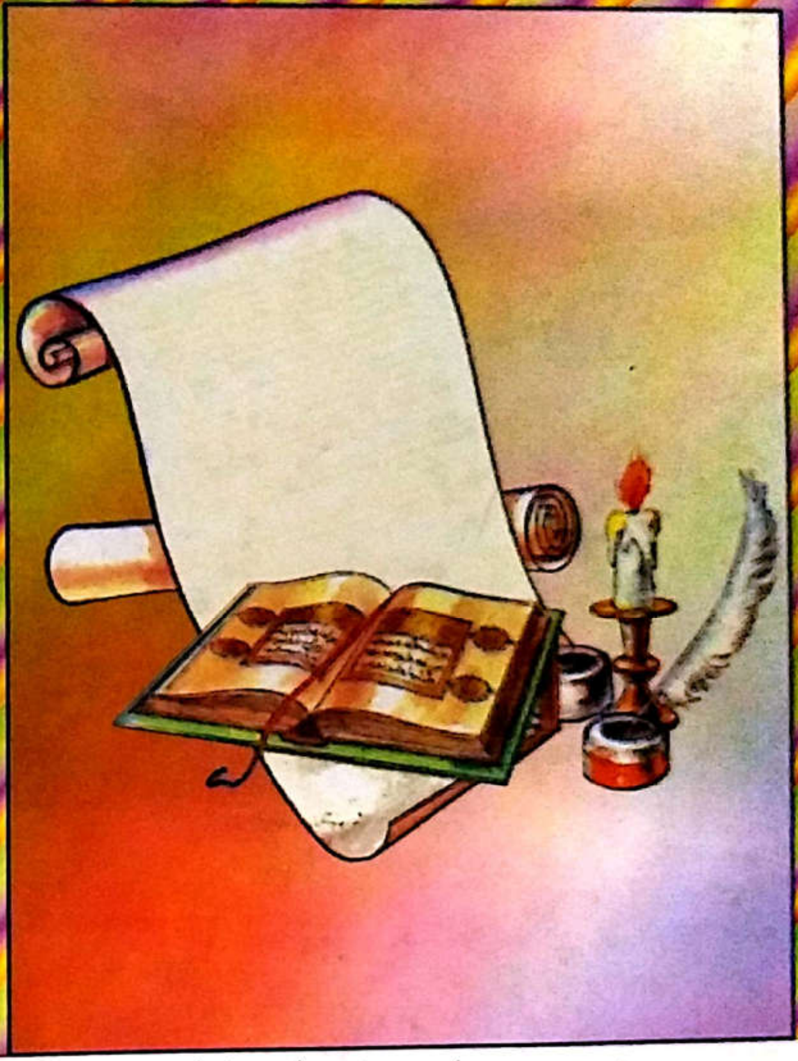

مکاتباتِ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

امام احمد الغزالیؒ

تدوین جدید

(الاستاذ) امجد عزیز (فاضل بھیرہ شریف)

مکاتیبِ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

(سلاطینِ عصر سے حضرت امام محمدؒ الغزالیؒ کی خط و کتابت)

تاریخِ اسلام کی عظیم المرتبت شخصیت کی اہم معاصرین
سے خط و کتابت، پند و نصیحت اور حکمت و موعظت کا نادر شہکار
حضرت امام غزالیؒ کی سیاسی بصیرت اور دانائی کا مرقعِ جمیل

مرتب
ام احمد الغزالیؒ

تدوین جدید
(الاستاذ) امجد عزیز (فاضل بھیرہ شریف)

تقدیم و نظرثانی
پروفیسر محمدؐ نصر اللہ معینی
(صدر شعبہ عربی)
گورنمنٹ کالج (راوی روڈ) لاہور

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۰۲ء

باراول

ہدیہ 80 = روپے

زیرِ اہتمام

تعاون واشتراک

کرنل (ر) ڈاکٹر راجہ محمد یوسف قادری

بانی

شانِ میراں ٹرسٹ

177-A شاد مان -لاہور فون 7590504

زاویہ

۸۔سی دربار مارکیٹ ○ لاہور

Ph (042) 7113553-7241517

(نوٹ)

اِس کتاب کے جُملہ محاصِل "زاویہ فاؤنڈیشن" کے علمی و تحقیقی مقاصد کے لیے وقف ہیں۔

فہرست

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ 9
حق گوئی و بے باکی 13
خدمت خلق 15
مرتب مکاتبات حضرت امام احمد الغزالیؒ 17
ابواب کتاب 18
ابتدائیہ 19

باب اول

معاندین کی ریشہ دوانیاں 21
حجۃ الاسلام کا خط ملک الاسلام کے نام 22
بادشاہ کا ردعمل 24
بادشاہ کے دربار میں امام غزالیؒ کی تقریر 26
ملک الاسلام کا جواب 32
اعتراضات کی نوعیت 34
آپ کے جوابات 34
جہالت کے مریض اور ان کی اقسام 34
لا الہ الا ھو کی وضاحت 37
توحید کے مدارج 38
ایک کے سوا اور کوئی نہ ہونے کا مفہوم 44
اللہ ھو النور کا مطلب 46
سچ اور جھوٹ کا معیار 47
اسرار الٰہی کا ظاہر کرنا 49

باب دوم

وہ خطوط جو وزراء کی طرف لکھے گئے 53
پہلا خط 53
القابات و خطابات میں تکلف 53
ذمائم اخلاق کی مثالی صورتیں 54
دوسرا خط 58
تیسرا خط 60
۱۔ نیکوکاروں کا درجہ 64
۲۔ میانہ رووں کا درجہ 64
۳۔ بدبختوں کا درجہ 65
چوتھا خط 66
پانچواں خط 69
نیک بختی کی علامت 70
وزراء کے خطوط 71
وزیر عراق کا خط وزیر خراسان کے نام 72
حجۃ الاسلام کے نام وزیر عراق کا خط 75
حجۃ الاسلام کی طرف سے
صدر الوزراء کے نام خط 76
جامعہ نظامیہ کی تدریس سے
معذرت کی وجوہات 81
شہاب الاسلام کے نام خطوط 81
پہلا خط 81
اولیاء کے فقر و احتیاج کی حکمت 83
دوسرا خط: نعمت کی حقیقت 83
تیسرا خط 86
مجید الدین کے نام 87
دنیا و آخرت کا حصہ 87

دنیا سے اعراض کرنے والوں کے گروہ 89
دوسرا خط 92
فرمانبرداری کا مفہوم 93
شرف و منزلت کا اصل معیار 95
تیسرا خط (عبرت پکڑنا
سعادت مندی ہے) 98
مجیر الدولہ کو نصیحت 99
رعایا کے احوال سے آگاہ کرنا 100
باب سوم
(امرائے سلطنت کے نام خطوط) 101
معین الملک کے نام خط 101
شراب نوشی پر تنبیہ 102
سعادت خاں کے نام خط 103
اللہ کے خزانوں کی چابیاں 103
ایک رئیس کی طرف تحریر کردہ خط 105
صدقہ اور شفا کا باہمی تعلق 106
ارکان سلطنت کی طرف تحریر کردہ خط 109
مغرب کے قاضیوں کے نام تحریر کردہ خط 111
خود احتسابی 113
دولت مندوں کے فرقے 114
دل کی بیماریوں کا علاج 115
باب چہارم
فقہاء اور ائمہ دین کی طرف خطوط 121
خراجہ امام احمد حبابی کی طرف خط 121
رضائے الٰہی کی حقیقت 121
استقامت کی تعریف 121
ابوالحسن مسعود بن محمد بن غانم کے نام خط 123
بعض مخالفین کے نام خط 125
ابن عامل کے خط کا جواب 126
حقیقی علم کا بیان 127
علماء کی اقسام 129
حصول علم کی ترغیب 130
شیطان کا حربہ 131
قاضی امام سعید عماد الدین محمد کی طرف خط 132
گمراہوں کی طرف خط 133
پند و نصائح 133
طلب حلال میں تقویٰ 134
بادشاہوں کے مال کی قسمیں 136
باب پنجم
خصوصی مواقع پر بیان کردہ پند و نصائح
فصل اول 139
اعمال صالحہ 141
فصل دوم 143
ہمت و نیت 143
فصل سوم 144
امت کے گروہ 145
فصل چہارم 146
سعادت کے اصول 147
فصل پنجم 147
فصل ششم 149
عبادات میں اخلاص 149

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام محمد الغزالی ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں طوس میں پیدا ہوئے۔ اس شہر کے جید علماء سے استفادہ کے بعد نیشاپور میں امام الحرمین عبدالملک جوینیؒ کی خدمت میں رہ کر علم میں کمال حاصل کیا۔ امام جوینیؒ اپنے اس قابل شاگرد پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے "غزالی علم کا بحرِ ذخار ہے۔"

امام غزالیؒ کے علم و فضل کی قدر افزائی کرتے ہوئے نظام الملک طوسی نے آپ کو بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی صدارت تفویض کی۔ یہ درس گاہ اس دور میں عالم اسلام کی عظیم اسلامی یونیورسٹی شمار ہوتی تھی۔ یہاں آپ جلد ہی تشنگان علم کی توجہ کا مرکز بن گئے۔

امام غزالیؒ کا دور فلسفہ اور عقل پرستی کا دور تھا۔ آپ نے تمام مروجہ علوم کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا، متکلمین اور فلاسفہ یونان کے علوم میں پورا درک حاصل کیا ہر مذہب اور ہر مسلک کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ لیکن کسی کے ذریعے حقیقت تک رسائی ممکن نظر نہ آئی۔ حق کی تلاش میں آپ آخر کار تصوف کی طرف مائل ہوئے۔ یہاں ان کے دل کی کلی کھل گئی اور انہوں نے وہ کچھ پایا جو کسی علم، فلسفے اور مسلک میں نہ مل سکا تھا۔ ان پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ تصوف ہی علم و عمل کا جامع ہے۔ اس سے اخلاق منزہ ہوتے ہیں اور ذمائم اخلاق سے نجات ملتی ہے۔ امام غزالی کے نزدیک صوفیاء کی سیرت اور ان کی صحبت و ہم نشینی قلب و روح کی بالیدگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ صوفیاء مشکوٰۃ نبوت کے نور سے روشنی اور فیض پاتے ہیں۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف کی وادی میں قدم رکھا۔ تو ان کی ملاقات

اس دور کی یگانہ روزگار روحانی شخصیت حضرت ابو علی فارمدیؒ سے ہو گئی جو حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے مرید تھے۔ آپ نے اُن کے دست حق پرست پر بیعت کر لی اور سلوک کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ مرشد کی نظر کیمیا اثر سے آپ کی نگاہوں سے پردے اٹھتے چلے گئے، حقائق منکشف ہونا شروع ہو گئے اور حقیقت نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا۔ اپنی معرکۃ الآراء کتاب "المنقذ من الضلال" میں آپ نے تلاشِ حق کے سفر، اپنے روحانی تجربات اور حقیقت تک رسائی کی داستان بڑے موثر انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ آپ کی معرکۃ الآراء کتاب "احیاء العلوم" بھی اسی دور کی تصنیف ہے۔

امام غزالیؒ کے دور میں فلسفہ یونان کی کتابیں عربی میں منتقل ہو چکی تھیں یہ فلسفہ مسلمانوں کے ذہن بری طرح متاثر کر رہا تھا۔ قرآنی آیات کی نئی نئی تاویلات اور تعبیرات اسلام کی سادہ اور روشن تعلیمات کو پیچیدہ اور مشکل بنا رہی تھیں۔ نتیجتاً اس فلسفہ کے زیر اثر امت ذہنی انتشار کا شکار ہو رہی تھی۔ امام غزالیؒ نے فلسفہ و علم کلام میں عبور حاصل کر کے بعض افکار باطلہ کا رد کیا اور مسلمانوں کو ان کی زہر آفرینی سے آگاہ کیا۔ اور حقیقت تک رسائی کے حصول میں فلسفہ کی بے مائیگی واضح کی۔

حضرت امام غزالیؒ کے دور میں علماء اور فقہا کی کثیر تعداد صوفیاء کرام کی معتقد اور ہم مشرب تھی تاہم حاسدین اور کینہ پرور علماء کی بھی کمی نہ تھی۔ وہ آپ کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف رہتے۔ خلیفہ وقت اور وزیراعظم کو آپ سے بدگمان کرنے کیلئے آئے دن الزام تراشی و بہتان سازی کرتے رہتے۔ آپ ابتداً مناظرے اور مجادلے کے ذریعے ان کا توڑ کرتے رہے لیکن تصوف کی راہ پر گامزن ہونے کے بعد آپ نے مناظرہ بازی کو یکسر ترک کر دیا آپ کے نزدیک اس سے بہت سی اخلاقی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اپنی کتاب احیاء العلوم میں انہوں نے تفصیل سے واضح کیا کہ مناظرہ بازی سے تفاخر، حسد، ضد، جاہ پرستی، فضول گوئی اور قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بادشاہ نے علماء سے مناظرے کیلئے آپ سے درخواست کی تو آپ نے اس سے معذرت پیش کی اور معاندین کے اعتراضات سے

صرف تحریری جوابات پیش کرنے پر اکتفا کیا۔

اس تحریر میں آپ نے معترضین کی اقسام بیان کرتے ہوئے ان کی نفسیات اور اختلاف کے اسباب پر بڑی جامع گفتگو فرمائی ہے، آخر میں فرمایا۔

"واضح ہو کہ کوئی بات میری کسی کتاب میں ایسی نہیں جس کی وضاحت ساتھ نہ ہو۔ جو سمجھ سکتا ہے وہیں سے سمجھ لے اور اگر کسی کو سمجھ نہیں آتی تو بالمشافہ سمجھ لے۔ جاہل کا پتہ نہیں چلتا کہ کس بنا پر اُس نے اعتراض کیا ہے اس لئے اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوتا ہے کیونکہ جہالت اور دل کی بیماریوں کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔

وَمَن يَكُ ذَافمٍ مُرٍّ مريض
يَجد مُرًّا بهِ الماءَ الزُلَالا

جس کے منہ کا ذائقہ بیماری کی وجہ سے کڑوا ہوتا ہے۔ اسے میٹھا پانی بھی کڑوا محسوس ہوتا ہے۔

فرمایا پانچ کتابوں میں کوئی بات ایسی نہیں لکھی جو میں دلیل قطعی سے ثابت نہ کر سکوں۔ لیکن ایسے شخص کے سامنے ثابت کر سکتا ہوں جو سمجھ سکتا ہے اور حسد و عداوت کے مرض سے پاک ہے نہ کہ وہ شخص جس کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا۔

انا جعلنا علٰی قُلوبھم اکنۃ ان یَفقھوہ۔ الخ

ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس لئے سوچ وبچار نہیں کر سکتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے۔ تم انہیں ہدایت کی طرف بلاتے ہو لیکن وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔

جاہ و منصب سے گریز

فقر غیور ہمیشہ جاہ و منصب سے نفور اور تاج و تخت سے دور رہا ہے۔ صوفیاء کو شاہ کی مصاحبت کی تمنا کبھی ہوئی اور نہ ان کے دل میں کبھی نان جویں کی بجائے مرغ و

ماحی کی خواہش پیدا ہوئی۔ کہ یہ باتیں غیرت فقر، شان استغنا اور حق گوئی وبے باکی کیلئے سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف کی وادی میں قدم رکھا تو جامعہ نظامیہ کی صدر نشینی اور تدریس کو خیر باد کہہ دیا۔ اور سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد طوس میں اپنی مختصر سی جائیداد پر قناعت کرتے ہوئے طالبان حق کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا۔ قصر حکومت بھی ان کے مرتبہ کمال کا معترف تھا۔ چنانچہ بعض وزراء کے ایما پر وزیر اعظم نے امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں باصرار درخواست کی کہ وہ بغداد میں قدم رنجہ فرمائیں اور جامعہ نظامیہ کی وائس چانسلر شپ کا عہدہ سنبھالیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب میں اس درخواست کی تعمیل کرنے سے معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے دل میں جاہ و منصب کی کوئی طلب باقی نہیں رہی۔ نیز بغداد جانے کی صورت میں مجھے خلیفہ کے دربار میں سلام کیلئے جانا پڑے گا جو کہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مزار مبارک پر میں نے ان باتوں کا عہد باندھا تھا کہ

- میں حکمرانوں کے دربار میں نہیں جاؤں گا
- حکمرانوں کا دیا ہوا مال قبول نہیں کروں گا
- مناظرہ نہیں کروں گا

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے خلیل اللہ علیہ السلام کے مزار پر باندھے ہوئے عہد کی پاسداری کرتے ہوئے بغداد جانے سے انکار کر دیا اور یہ کہہ کر حکومت کیلئے مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہ چھوڑی کہ "اب نیابت فراق کا وقت ہے نہ کہ سفر عراق کا نیز فرمایا کہ فرض کر لیں کہ غزالی بغداد پہنچا اور اجل نے اسے آگھیرا اب تدریس کیلئے کونسی اور تدبیر کرنی ہو گی۔ جو تدبیر میرے فوت ہونے کے بعد کرنی ہے وہ آج ہی کر لیں۔

(ملخص مکتوب بنام صدر الوزراء)

حق گوئی وبے باکی

اعلاء کلمۃ الحق اور جابر سلطان کے سامنے سچی بات کہہ دینا ہمیشہ سے مردان حق کا شیوہ رہا ہے بقول اقبالؒ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے زیر نظر مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ اس مرد خود آگاہ و حق شناس نے آئین جواں مرداں کی خوب پاسداری کی۔ وہ ہمیں ان مکتوبات میں وزراء اور وقت کے حکمرانوں کو ان کے اعمال قبیحہ پر بے دھڑک ٹوکتے، جھڑکتے اور عذاب الٰہی سے ڈرنے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بادشاہت اور آمریت کے اس دور میں وہ ذرائع ابلاغ بالکل مفقود تھے جو ہمارے اس ترقی یافتہ دور کو میسر ہیں۔ حکمرانوں کو معاشرے کی حقیقی تصویر دکھانے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔ بادشاہ تک خبریں صرف اس کے ظالم کارندوں کے ذریعے ہی پہنچتی تھیں جو ہمیشہ سب اچھا کی رپورٹ دیتے تاکہ ان کے مفادات جاریہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خطوط کے ذریعے حکمرانوں کو عوام پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم سے آگاہ کرتے رہتے۔ اور انہیں معاشرے کی سچی تصویر دکھا کر رعایا پر لطف و مہربانی کی تلقین فرماتے۔ ایک خط میں فخر الملک کی طرف لکھتے ہیں۔

"یہ شہر ظلم و ستم کی وجہ سے ویران ہو گیا ہے۔ ظالم دلیر ہو گئے۔ چوری چکاری عام ہے۔ رات کو کئی دکانوں میں نقب لگائی جاتی ہے اور اس (جرم) میں زاہد اور پرہیز گار لوگوں کو پھنسایا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کو اطلاع دے کر شہر میں امن و امان ہے تو سمجھ لیجئے کہ جھوٹ بولتا ہے اور آپ کے دین کا دشمن ہے۔ رعایا کی خبر لو۔ خلق خدا کی طرف سے غفلت نہ برتو"

امام غزالیؒ کو معلوم تھا کہ وزیر موصوف شراب سے شغل کرتے ہیں چنانچہ اسی خط میں اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"اس قسم کی مصیبت کا علاج آنکھوں کا پانی ہے نہ کہ انگور کا پانی"

یعنی شامت اعمال کی بنا پر نازل ہونے والے عذاب سے خلاصی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری سے ممکن ہے نہ کہ غم غلط کرنے کیلئے شراب کا سہارا لینے سے۔

مجیر الدولہ کی طرف لکھا

"اچھی طرح جان لیجئے کہ کوئی وزیر اس بلا اور مصیبت میں مبتلا نہیں ہوا جو آپ کے زمانے میں ہے اور کسی وزیر کے زمانے میں ایسا ظلم وستم نہیں ہوا جو اب ہو رہا ہے۔ آخرت کا توشہ تیار رکھنے کیلئے کمر بستہ رہیے اور امراء کو ظلم سے روکنے سے بڑھ کر کوئی توشہ نہیں۔ جس قدر ممکن ہو انہیں ظلم سے روکئے۔ رعایا کی ہڈیوں تک ظلم کی چھری پہنچ گئی ہے۔ رعایا سے وصول کردہ دینار سرکاری خزانے کی بجائے ان کی جیبوں اور تجوریوں میں جا رہے ہیں"

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ معین الملک شراب نوشی کی بدعادت میں مبتلا ہو گیا ہے تو تڑپ اٹھے۔ جانتے تھے کہ شراب نوشی سینکڑوں برائیوں کی جڑ ہے۔ اور شراب نوش حکمران رعایا کیلئے عذاب سے کم نہیں ہوتے۔ فوراً معین الملک کی طرف خط لکھا۔

"ایک بزرگ نے بتایا کہ آپ ان دنوں ایک ایسے فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں جو آخرت کیلئے نہایت خطرناک ہے اسے سن کر میرا دل بہت کڑھا۔ میرے پاس دل، دعا، زبانی تنبیہ اور قلمی نصیحت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے آپ کی حالت پر مہربانی کرتے ہوئے کہ آپ تو اپنے اوپر مہربان نہیں، حکم دیتا ہوں کہ نشہ ترک کر دیں۔ آپ کا یہ عذر کا خراسان کا بادشاہ اس بات کیلئے مجبور کرتا ہے عذر لنگ ہے کیونکہ زمین و آسمان کا بادشاہ اس بات کو قبول نہیں کرتا۔ جب آپ اسے ترک کرنے کا پختہ ارادہ کر لیں تو امید ہے کہ خراسان کا بادشاہ اول تو آپ کی توبہ دیکھ کر خود توبہ کر لے گا۔ ورنہ

آپ کی توبہ میں دخل اندازی نہیں کرے گا"

خدمت خلق

سکھ میں شریک ہونا تو سب جانتے اور پسند کرتے ہیں لیکن دوسروں کے دکھوں کو اپنا دکھ بنا لینا انسانیت کی معراج ہے۔ اسی لئے دردمندی و غمخواری صوفیائے اسلام کی سیرت کا لازمی خاصہ ہوتا تھا۔ وہ خود کو عوام اور مساکین کے طبقے سے ہی سمجھتے اور ان کے مسائل میں سچی دلچسپی لیتے۔ ان کی خدمت میں آنے والے ستم رسیدہ اور دل شکستہ لوگوں کو جہاں حوصلہ ملتا وہاں صوفیا ان کی دلجوئی کرتے ہوئے ان کے زخموں پر مرہم رکھتے اور ان کا درد بانٹنے کی عملی تدبیر کرتے۔

گزشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ مظلوم رعایا کے احوال سے حکمرانوں کو خطوط کے ذریعے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ اور پند ونصائح کے ذریعے انہیں رعایا کے مسائل حل کرنے اور ظلم سے باز رہنے کی تلقین کرتے اس کے ساتھ ساتھ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ مستحقین کی امداد اور جوہر قابل کی قدر افزائی کیلئے بھی مقتدر حلقوں کو متوجہ کرتے رہتے تھے۔

فخر الملک کی طرف امام ابراہیم مبارک کی سفارش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"شہر گرگاں کافی عرصہ سے کسی قابلِ اقتداء باعمل عالم کے وجود سے خالی رہا۔ اب جبکہ مسلمانوں کے خیر خواہ ابراہیم مبارک اپنے وطن مالوف لوٹ آئے ہیں گردونواح کا علاقہ اِن کی پرہیزگاری اور علم سے زندہ ہو گیا۔ اور آپ کے علم اور وعظ کے فوائد دور دور تک پہنچتے ہیں۔ جس شہر میں اس قسم کے عالم ہوں وہ ضرور آباد ہوتا ہے۔ وزیر اعظم کا فرض ہے کہ وہ انہیں اپنی حمایت وعنایت کے دامن میں لیکر ان کی دعا کو قیامت کا ذخیرہ بنالیں۔"

مکاتبات کے زیر نظر مجموعہ میں اس قسم کی کئی دیگر مثالیں موجود ہیں۔ جن سے حاجت مندوں کی مدد کیلئے وزراء، روساء اور قاضیوں کو توجہ دلائی گئی ہے۔

الغرض مکاتبات غزالی کے نام سے جمع کئے گئے ان خطوط کے مطالعہ سے جہاں امام غزالیؒ کے حسن کردار کے بعض نقوش نمایاں ہوتے ہیں وہاں ان سے محاسن اخلاق اور دیگر علمی موضوعات پر اہم معلومات بھی میسر آتی ہیں۔ یہ مکتوبات تصوف اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے یقیناً ایک گراں قدر تحفہ ہیں۔

پروفیسر محمدؐ نصر اللہ معینی
(صدر شعبۂ عربی)
گورنمنٹ کالج (راوی روڈ) لاہور

مرتب مکاتبات

حضرت امام احمد الغزالیؒ

حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ کے مکاتبات (خط کتابت) یہ مجموعہ آپ کے برادر خورد امام احمد الغزالیؒ کا مرتب کردہ ہے۔ امام احمد الغزالی اپنے بڑے بھائی کے ہم مکتب رہے۔ اور علم میں کمال حاصل کیا۔ آپ ابتدا ہی سے تصوف کا ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ریاضت اور مجاہدہ سے ایسے مقام تک رسائی حاصل کر لی تھی جہاں انوار اور مشاہدہ سے نوازا جاتا ہے۔ ابن خلکان نے آپ کی بعض کرامتوں کا ذکر بھی کیا ہے، تصوف کے مشاغل کے ساتھ ساتھ آپ وعظ وارشاد میں بھی مصروف رہتے۔ آپ کی مجالس وعظ میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے۔ صاعد بن فارس نے ان مواعظ کو باقاعدہ قلمبند کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح آپ تفسیری نکات اور رموز تصوف بیان کیا کرتے تھے۔

حضرت امام احمد الغزالی نے وعظ وارشاد کے علاوہ اچھا خاصا تعلیمی و تصنیفی ذوق بھی پایا تھا۔ چنانچہ ان کے بڑے بھائی امام محمد الغزالیؒ نے جامعہ نظامیہ کی صدر نشینی اور تدریس کو ترک کر کے وادی تصوف میں قدم رکھا تو آپ ان کی عدم موجودگی میں مدت تک جامعہ نظامیہ میں طلباء کو پڑھاتے رہے۔

احیاء العلوم کی ایک شرح لباب الاحیاء انہیں کی تصنیف ہے "الذخیرہ فی علم البصیرۃ" بھی آپ کی علمی کاوش ہے۔ تصوف واسرار پر فارسی زبان میں "سوانح" کے نام سے ایک گراں قدر رسالہ آپ کے کمال علمی کا ثبوت ہے۔ نفحات الانس میں مولانا جامیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ فخر الدین عراقی کی لمعات اسی کتاب کی ضوافشانیوں کا پرتو ہے۔ آپ کا وصال ۵۱۷ھ میں ہوا مزار مبارک قزوین میں ہے۔

ابواب کتاب

☆......سلاطین کے مکتوبات امام غزالیؒ کے نام

☆......امام غزالیؒ کے مکتوبات سلاطین کے نام

باب دوم

☆......امام غزالیؒ کے خطوط وزراء کے نام

باب سوم

☆...... عمائدین سلطنت اور امراء کے نام

باب چہارم

☆......امام غزالیؒ کے مکتوبات فقہاء اور ائمہ کے نام

باب پنجم

☆......مختلف لوگوں کی طرف پند و نصائح پر مشتمل خطوط

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم اللہ تعالیٰ سے جنت کے ملتمس اور جہنم سے پناہ کے خواہاں ہیں۔ اس کے شکر و سپاس کی کوئی حد نہیں۔ وہ شکر جو صدیقوں کی طلب کی انتہا اور طالبوں کے مقصد کا اعلیٰ درجہ ہے۔ تمام حیران و سرگرداں لوگوں کیلئے نشان منزل ہے اور وہ شکر جس کی کوئی انتہاء نہیں، اس ذات کے ساتھ مخصوص ہے جس کے لیے نہ آغاز ہے نہ انجام۔ وہ وہ ذات حق جس کا شکر تمام کتابوں کی زینت اور اہل بہشت کے دعوے کی انتہا ہے۔ جس کی رحمت و مہربانی اور تقرب اسی کے فضل سے ہے اور عذاب کی سختی و جلدی اس کا عدل ہے۔ تمام مخلوق کی لگام اسی کے دست قدرت میں اور تمام سالکان راہ کے امور کا انجام اس کی نظر میں ہے۔

صاحب شریعت ﷺ کا مقام بلند اور تعریف و توصیف آپ کی محبت و تعظیم میں اور آپ ﷺ کے یاروں کا صاحب فضل ہونا اسی کی نعمت عظمیٰ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا صدق، حضرت عمرؓ کا عدل، حضرت عثمانؓ کی حیا اور حضرت علیؓ کی شجاعت اسی کی حکمت و منشا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسے چاہتا ہے، حکم کرتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت امام زمان و مقتدائے جہان امام الآئمہ، حجۃ الاسلام ابو الحامد محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اس طرح ظاہر ہوئی کہ آپ کا دل نور الٰہی سے معمور ہو گیا۔ افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ. کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نورانی راہ پر ہے۔

آپ کا سینہ آب حکمت کا سرچشمہ اور اسرار شریعت کا خزانہ تھا۔ آپ کے اقوال بے مثال زروجواہر اور الفاظ آب زلال سے زیادہ میٹھے اور معانی ومفاہیم سحر جلال سے بڑھ کر دقیق تھے۔

معان کالعیون یبین سحراً
والفاظ مورّدة الخدود

اس کے معانی جادو بھری آنکھوں کی طرح ہیں اور اس کے الفاظ گلاب کے چہرے کی طرح ہیں۔

اس لیے سب نے اپنے درد کی دوا آپ کے کلام سے پائی، اپنی بیماری کا علاج وہیں سے طلب کیا، کفر، شرک، حسد، بخل، ریا، خود پسندی اور برے اخلاق جیسے زہر قاتل کیلئے تریاق آپ کے اشارات، الفاظ، رموز اور معانی سے حاصل کیا، سرخ گندھک (زہر کیلئے مفید) جو کیمیائے سعادت ہے آپ کی تصانیف میں پائی، اور معانی کا لب لباب آپ کے تحریر کردہ خطوط سے لیا جن میں ہر کام کیلئے تنبیہ موجود ہے۔ آپ کی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ سالک، طالب شفا، مریض، اور محتاج ہر وقت آپ کی نصیحتوں، کتابوں اور خطوط کیلئے سرگرداں رہتے تھے تاکہ ان پر عمل پیرا ہو کر سعادت ابدی حاصل کریں۔ خواہشات نفسانی سے خلاصی پائیں اور انہیں ظاہری آنکھوں کا سرمہ اور باطنی بصارت کیلئے نور بنائیں۔ آپ کے یہ رسائل منتشر اور متفرق تھے اسلئے میں نے مساکین کی حاجت روائی، دینی حق اخوت کی ادائیگی، حصول سعادت وبرکت اور صلہ رحمی کیلئے انہیں جمع کر کے ان کا نام ''فضائل الامام من رسائل حجۃ الاسلام'' رکھا اور اس کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے مجھے توفیق بخشے تاکہ یہ مجموعہ پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

احمد الغزالی

باب اول

معاندین کی ریشہ دوانیاں

جن دنوں امام غزالیؒ نیشاپور کے مدرسہ میں طالب علم تھے آپ نے اپنے تعلیق اصول کا خلاصہ ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیکر اس کا نام ''المنخول من تعلیق الاصول'' رکھا اور اس کے آخری صفحات میں امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر تنقید کی اور طہارت، نماز، سرقہ اور قصاص وغیرہ کے مسائل پر ان سے اختلاف کیا تو مسلک امام ابو حنیفہؒ کے علماء نے اس کی شکایت بادشاہ وقت سے کی اور ان کے ساتھ کچھ شافعی ومالکی مسلک کے لوگ بھی شامل ہو گئے۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ امام غزالیؒ نے امام ابو حنیفہ کے حق میں طعن و تشنیع کی ہے اور الزام لگایا کہ آپ کسی طرح بھی اسلام پر کاربند نہیں بلکہ آپ کے اعتقادات فلسفیوں اور ملحدوں جیسے ہیں۔ اور آپ نے اپنی تمام کتابیں انہیں کی باتوں سے بھر دی ہیں اور انہیں شریعت کے اسرار کیساتھ ملا دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو آپ نور حقیقی لکھتے ہیں حالانکہ یہ مجوسیوں کا طریقہ کار ہے جو حق تعالیٰ جل شانہ کو نور وظلمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان علماء نے ''مشکوٰۃ الانوار'' کے چند کلمات تبدیل کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کئے اور یہ بھی کہا کہ حجۃ الاسلام نے امام مالکؒ اور قاضی ابو بکر باقلانی پر بھی طعن کیا ہے۔ قاضی ابو بکر یہ سن کر آپ کو برا بھلا کہنے لگے اور انہوں نے امراء ووزراء اور اراکین دربار کو اپنا ہمنوا بنا لیا اور بادشاہ کے کان آپ کے خلاف بھرے۔ بادشاہ بھی آپ سے ناراض

ہو گیا اور ایک آدمی آپ کو بلانے کیلئے بھیج دیا۔ لیکن آپ نے حاضری اور مناظرہ بازی سے معذرت چاہی اور چند عذر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی طرف قیمتی نصیحتیں بھی تحریر کیں۔ وہ خط درج ذیل ہے۔

حجۃ الاسلام کا خط ملک الاسلام کے نام

اللہ تعالیٰ ملک الاسلام کو دنیاوی سلطنت کیساتھ آخرت میں بھی بادشاہی نصیب فرمائے جسکے مقابلہ میں تمام روئے زمین کی بادشاہی حقیر اور مختصر ہے۔ کیونکہ اصل بادشاہی آخرت کی بادشاہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ روئے زمین کی سلطنت زیادہ سے زیادہ مشرق سے لیکر مغرب تک ہے اور انسانی زندگی دنیا میں بالعموم سو سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ تمام روئے زمین کی بادشاہی اس بادشاہی کے مقابلہ میں جو اللہ تعالیٰ کسی کو آخرت میں عطا کرے ایسی ہے جیسے ڈھیلا اور اسکی گرد۔ ڈھیلے کے مقابلہ میں اسکی گرد کی کیا حیثیت ہے اور سو سال کی وقعت ازل وابد کے مقابلہ میں کیا ہے۔ اسلیئے اس زندگی پر شاداں نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے سلسلہ نسب اور اقبال مندی کی طرح آپ خود بھی بلند ہمت بنیں اور اللہ تعالیٰ سے آخرت کی بادشاہی کے سوا کسی چیز پر قناعت نہ کریں۔ عام آدمی کیلئے اس چیز کا حصول مشکل ہے لیکن مشرق کے بادشاہ کیلئے آسان ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ عادل بادشاہ کے عدل کا ایک دن ساٹھ سالہ عبادت سے افضل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی سلطنت سے نوازا ہے کہ جس میں عدل کے ذریعے ساٹھ سال کی عبادت آپ ایک دن میں کر سکتے ہیں تو اس سے بڑھ کر نعمت اور دولت اور کیا ہو گی۔

دنیا کی حالت کے بارے سنیئے تاکہ آپ کی نظر میں یہ حقیر ہو جائے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا سونے کا برتن ہو لیکن زوال پذیر ہو جائے اور آخرت مٹی کا برتن ہو لیکن ہمیشہ باقی رہے تو عقلمند اس باقی رہنے والے مٹی کے برتن کو پسند کرے گا۔ اب جبکہ دنیا مٹی کا برباد ہونے والا برتن اور آخرت لازوال سنہری برتن ہے تو ایسی صورت میں عقلمند کیسے دنیا کو اختیار کر سکتا ہے۔ اس مثال کو پیش نظر رکھیئے گا کیونکہ آجکل صورت حال کچھ ایسی ہے کہ ایک لمحہ کا عدل سو سال کی عبادت کے برابر ہے۔ طوس کے لوگوں پر رحم کریں کیونکہ انہوں نے بہت ظلم وستم برداشت کیے ہیں۔ کھیتی باڑی، سردی اور قلت بارش کے سبب تباہ ہو گئی ہے۔ سو سالہ درخت بھی جڑوں سے سوکھ گئے ہیں۔ دیہاتیوں کے پاس صرف چمڑا ہی رہ گیا ہے یا کچھ بھوکے ننگے بال بچے۔ وہ مع بال بچوں کے گرم تنور میں رات بسر کرتے ہیں اس ڈر کیساتھ کہ آپ کے کارندے ان کے چمڑے بھی ادھیڑ ڈالیں گے۔ اس لیے اگر اس وقت ان سے کچھ طلب کیا گیا تو وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ کر اپنی جانیں تباہ کر لیں گے، ایسی صورت میں وہ چمڑا آپ کی گردن کیلئے وبال بن جائے گا۔

اے شاہ اسلام! واضح رہے کہ میری عمر کے ترپن سال گزر چکے ہیں۔ چالیس سال تک میں علم کے سمندر میں غوطہ زن رہا اور وہ مرتبہ حاصل کیا کہ بہت سے اہل زمانہ کیلئے میرے کلام کو سمجھنا دشوار ہو گیا۔ سلطان شہید کے عہد حکومت میں میں نے بیس سال گزارے اور اصفہان اور بغداد میں بڑی عزت و منزلت حاصل کی۔ اور کئی بار سلطان اور امیر المؤمنین کے درمیان ایلچی کا کام بھی سر انجام دیا۔ تقریباً ستر کتابیں علم دین میں لکھیں۔ پھر دنیا کو دیکھ بھال کر اور اسکی معرفت تامہ حاصل کرنے کے بعد ہر چیز ترک کر کے کچھ عرصہ بیت المقدس

اور مکہ معظمہ میں قیام کیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مشہد پر عہد کیا کہ نہ کسی بادشاہ کے دربار میں جاؤں گا نہ کسی بادشاہ سے مال و اسباب لوں گا اور نہ ہی مناظرہ کروں گا۔ بارہ سال سے اس عہد کو نباہ رہا ہوں اور مجھے امیر المؤمنین اور تمام بادشاہ اس بات سے معاف ہی کرتے آئے ہیں۔

اب میں نے سنا ہے کہ مجلس عالی سے ارشاد ہوا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں۔ میں تعمیل حکم کرتے ہوئے مشہد رضا میں آگیا ہوں لیکن مشہد خلیل پر کئے گئے عہد کو مد نظر رکھتے ہوئے لشکر گاہ میں نہیں آیا۔ اور اس مشہد امام میں یہ بات کہتا ہوں کہ شفیع کے بیٹے شفیع ہو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں دنیاوی سلطنت میں آباؤ اجداد سے بھی زیادہ وسعت دے اور آخرت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے درجہ تک پہنچائے جو بادشاہ بھی تھے اور پیغمبر بھی اور اللہ تعالیٰ تمہیں عہد ابراہیمؑ کی حرمت کا پاس رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس تارک الدنیا اور راجع الی اللہ فقیر کو پریشان نہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں یہ بات دربار میں آنے کی نسبت زیادہ پسند آئے گی کیونکہ مناظرہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں البتہ حق کی خاطر اس کام کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں بھی حاضر ہوں لیکن معاملہ اگر حق کی خاطر نہیں تو میں اپنا عہد نہیں توڑنا چاہتا البتہ شاہی حکم جس میں مجبوری ہو اسکی اطاعت مجھ پر لازم ہے۔ مجھے آنے سے انکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دل و زبان پر ایسی بات جاری کرے کہ روز قیامت شرمندہ نہ ہونا پڑے اور دنیا میں اس سے اسلام کو ضعف و شکستگی نہ ہو۔ ''فقط''

بادشاہ کا ردعمل

جب یہ خط سلطان الاسلام کو سنایا گیا تو اس کی رائے امام غزالیؒ کے بارے تبدیل ہو گئی اور کہنے لگا کہ میں نے آپ سے ضرور ملاقات کرنی ہے اور اب جبکہ

وہ مشہد رضا میں موجود ہیں اور لشکر گاہ پیروخ میں ہے جہاں سے فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تو آپ کا آنا زیادہ آسان ہے تاکہ میں انہیں دیکھوں، ان کے اعتقاد معلوم کروں اور حاسدوں کو تنبیہ کروں۔ انہیں میں ایک بڑا جید عالم بھی تھا۔ اس نے باقی سب کو کہا کہ انہیں ضرور بلواؤ تاکہ ان سے مناظرہ کر کے زیر کریں لیکن بادشاہ کے سامنے مناظرہ نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ اپنی صورت اور کلام سے بادشاہ کو رام کر لیں گے۔ دریں اثنا طوس کے علماء کی ایک جماعت لشکر گاہ میں پہنچ گئی۔ اور ایک جلسہ منعقد کر کے مخالفین کو بلایا اور کہا کہ ہم حجۃ الاسلام کے شاگرد ہیں اگر کسی شخص کو کوئی شبہ یا مشکل پیش آگئی ہے تو ہم اسے رفع دفع کرنے کیلئے حاضر ہیں۔ لیکن یاد رکھو تم میں سے کسی میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ حجۃ الاسلام کا مقابلہ کر سکے۔ انہوں نے یہ سنا تو آگ بگولہ ہو گئے اور جا کر بادشاہ سے کہا کہ امام صاحب شہرت کے طلبگار ہیں اور ان سے مناظرہ کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

سلطان الاسلام نے معین الملک سے کہا کہ امام صاحب کو مجبور کر کے دربار میں لایا جائے تاکہ مجلس مناظرہ منعقد ہو۔ ہم یا تو مناظرہ سنیں گے یا معذرت کر کے انہیں عزت و تکریم کیساتھ رخصت کریں گے۔ معین الملک نے ایک شخص کو مشہد بھیجا تاکہ آپ کو دربار میں آنے کیلئے کہے۔ آپ لشکر گاہ میں آئے اور معین الملک کے گھر میں ٹھہرے جو بعد میں آپ کو بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ آپ کی تعظیم کیلئے کھڑا ہو گیا اور بغل گیر ہو کر آپ کو تخت پر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ آپ پر کچھ گھبراہٹ طاری ہوئی تو ایک قاری کو فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ اس نے یہ آیت پڑھی۔ **الیس اللہ بکاف عبدہ** کیا پروردگار اپنے بندے کیلئے کافی نہیں۔ آپ نے فرمایا ''ہاں'' یہ کہتے ہی خوف جاتا رہا اور آپ نے سلسلہ کلام شروع کر کے حسب ذیل تقریر کی۔

بادشاہ کے دربار میں امام غزالیؒ کی تقریر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَلَاعُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔

اللہ ملک الاسلام کو زندہ رکھے، بادشاہوں کی مجلس میں علمائے اسلام کی عادت اور رسم یہ ہے کہ چار قسم کی تقریر کرتے ہیں۔ دعا، ثنا، نصیحت یا بلندی درجات، لیکن میری عادت ہے کہ میں تاریک رات میں خلوت نشین ہو کر دست بدعا ہوتا ہوں اور اسی کو بہتر جانتا ہوں کیونکہ جو کچھ ظاہراً کیا جاتا ہے اس میں ریا کاری کا شائبہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دکھاوے کا کام ناپسندیدہ ہے۔

یہ دربار ثنا سے ایسے ہی بے نیاز ہے جیسے سورج اس بات سے بے نیاز ہے کہ انگلی کے اشارہ سے اسکی بلندی اور روشنی دکھلائی جائے۔ جب جمال اور خوبصورتی انتہائی زیادہ ہوں تو مشاطہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ثنا سے مقصود کسی کام کو عمدہ اور اعلیٰ کہنا ہے اس دربار سے زیادہ شان اور بلندی کسی اور کو نصیب نہیں اس لیے اس کو ثنا کی کیا ضرورت؟ باقی رہا نصیحت کرنا یا حاجت بیان کرنا تو نصیحت کا منشور حضور ﷺ نے اس حدیث شریف میں بیان کر دیا ہے کہ ترکت فیکم واعظین صامتا وناطقا، الصامت الموت والناطق القرآن. میں نے تم میں دو واعظ چھوڑے ہیں ایک خاموش اور دوسرا بولنے والا، خاموش موت اور بولنے والا قرآن مجید ہے۔

اب دیکھو کہ خاموش زبان حال سے اور بولنے والا زبان قال سے کیا کہتا ہے۔ خاموش یعنی موت کہتی ہے کہ جو پیدا کئے گئے ہیں انہیں واضح رہے کہ میں

ان کی گھات میں ہوں، اچانک حملہ آور ہونگی۔ پہلے قاصد نہیں بھیجوں گی۔ اگر تم نے میرے کام کی عمدگی اور پائیداری دیکھنی ہے تو دیکھو کہ میں نے تم سے پہلوں کیساتھ کیا کیا اور تمہارے ساتھ کیا کروں گی، اسلیئے بادشاہوں کو چاہیے کہ دوسرے بادشاہوں اور امراء کے احوال سے صرف نظر نہ کریں۔ سلطان ملک شاہ، الپ ارسلان اور طغرل بیگ خاک تلے زبان حال سے کہتے ہیں کہ اے بادشاہ! اے آنکھوں کی ٹھنڈک!!! اے فرزند عزیز!!! خبردار! اگر تجھے معلوم ہو جائے کہ ہم پر کیا بیتی اور ہم نے کیسے کیسے خوفناک کام دیکھے تو تو ایک رات بھی سیر ہو کر نہ کھائے اور اپنی خواہش کے مطابق کوئی چیز نہ پہنے۔ تیری رعایا میں سے ایک شخص بھی بھوکا اور ننگا نہیں رہنا چاہیے۔ تیرا کوئی خزانہ ایسا نہیں جو روز قیامت تجھے نہیں دکھایا جائے گا اور کوئی عمل ایسا نہیں جو تیرے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قران مجید کی نصیحت یہ ہے کہ:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔

پس جو شخص ذرہ بھر نیکی کرے گا اس کا اجر پائے گا اور شخص ذرہ بھر برائی کریگا اس کی سزا پائے گا۔ جو کچھ تم چاہتے ہو کرو لیکن یاد رکھو ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ دن رات میں چوبیس گھڑیاں ہیں اور ہر گھڑی کے اعمال بندے کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ پہلے ایک بلند اور روشن کوٹھڑی اس کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ عبادت کی گھڑی ہوتی ہے اس وقت وہ ایسا خوش ہوتا ہے کہ اسے آٹھوں جنتیں مختصر محسوس ہوتی ہیں کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بشارت دی جاتی ہے۔ پھر ایک خالی کوٹھڑی اس کے سامنے

پیش کی جاتی ہے۔ وہ گھڑی خواب غفلت اور عیش کی ہوتی ہے۔ اس وقت حسرت وافسوس کی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے جس کی انتہا نہیں اور وہ سوچتا ہے کہ یہ گھڑی پہلی گھڑی کی طرح کیوں نہ گذری۔ اسکے بعد ایک اور کوٹھڑی اسکے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ یہ تاریکی سے پر ہوتی ہے۔ اور یہ نافرمانی کی گھڑی ہوتی ہے اسوقت وہ غلبہ خوف کی وجہ سے پکار اٹھتا ہے کہ کاش مجھے پیدا ہی نہ کیا جاتا۔

بادشاہ سلامت! تم نے دنیاوی مال و دولت اور لشکر و خزانہ جمع کر لیا۔ کیا آخرت کیلئے بھی کچھ کیا ہے۔ اگر نہیں تو یہ چیزیں آخرت کے مقام اور موت کے معیار کے مطابق جمع کر۔ دنیاوی مدت تو جس قدر ہے عیاں ہے۔ ممکن ہے ایک دن یا ایک لحظہ سے زیادہ نہ ہو لیکن آخرت کی مدت کی انتہا نہیں۔ اگر ساتوں آسمان وزمین کا غلہ بنا کر ایک پرندے سے کہا جائے کہ ہر ہزار سال کے بعد ایک دانے سے زیادہ نہ کھانا تو یہ دانے ختم ہو جائیں گے لیکن ابد میں کمی نہیں آئے گی۔ اسلیئے یاد رکھ کہ خزانہ مدت کے مطابق جمع کرنا چاہیے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس کا گذر دوزخ میں نہ ہو۔ جو شخص دنیا سے ایمان سلامت لے جائے گا۔ اسے بھی ایک لمحہ ضرور رہنا پڑے گا جس کی مقدار دنیاوی سات ہزار سال کے برابر ہوگی۔ جب ایمان کی سلامتی والوں کی یہ حالت ہے تو دوسروں کی کیا حالت ہوگی۔ نیز اس بات کا دھیان بھی رہے کہ ایمان ایک درخت ہے جو اطاعت کا پانی پیتا ہے اس کی جڑ عدل سے قائم رہتی ہے اور دائمی ذکر حق سے مضبوط ہوتی ہے۔ اگر اسے اس قسم کی تربیت نہ دی جائے تو مرجھا جاتا ہے اور جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔ میری ایک نصیحت یاد رکھنا۔ وہ یہ کہ لاالہ الااللہ ہمیشہ ورد زبان رکھنا، لیکن اسے کوئی سننے نہ پائے۔ مگر کرتے رہنا خواہ تو شکار گاہ میں ہو یا تخت پر، خواہ خلا میں ہو یا کہ ملاء اعلیٰ میں۔ ایک لحہ بھی اس سے غافل نہ رہنا کیونکہ اسی سے دین پکا ہوتا ہے۔ نیز اگر عذاب آخرت سے بچنا چاہتا ہے تو یاد رکھ سوال قیامت سے خلاصی ممکن نہیں۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته. تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اسکی رعیت کے بارے سوال کیا جائے گا۔ اگر تجھے سیاست میں رکھ کر یہ سوال کیا جائے کہ اپنے بندوں اور کلمہ پڑھنے والوں کو تیری رعایا بنایا اور ساتھ تجھے چند چوپائے بھی دیئے لیکن تو انہیں چوپایوں میں مگن رہا۔ جہاں کہیں چراگاہ نظر آئی انہیں لے گیا اور ان کی اچھی طرح سے پرورش کی۔ تو تو نے ہمارے بندوں کی نسبت ان چوپایوں سے زیادہ لطف و مہربانی کی حالانکہ ہمارا یہ فرمان بھی ہے کہ ایک مومن کی عزت کرنا ہماری بارگاہ میں کعبہ کی حرمت سے بڑھ کر ہے۔ اس سوال کا کیا جواب دو گے ؟

حضرت عمر فاروقؓ کی یہ حالت تھی کہ ایک درویش کا اونٹ اندھیری رات میں گم ہو گیا۔ آپ اسکی تلاش میں ننگے پاؤں پھرتے اور فرماتے تھے کہ لو ترك جرب علىٰ سيفة الفرات ولم يطلاء بالدهن لمسؤل عنه يوم القيامة. اگر فرات کے کنارے خارشی اونٹ چھوڑا جائے اور اسے تیل نہ ملا جائے تو قیامت والے دن اس کی بابت بھی پوچھا جائے گا۔

آپ کے وصال کے بارہ سال بعد ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ عمدہ سفید لباس پہنے ہوئے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کسی کام سے فارغ ہوئے ہیں۔

اس نے عرض کی "یا امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

فرمایا "مجھے دنیا سے رخصت ہوئے کتنا عرصہ بیت گیا؟"

اس نے عرض کیا۔ "بارہ سال"

فرمایا۔ "ابھی تک میں حساب وکتاب کے مرحلہ میں تھا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر نظر رحمت نہ فرماتا تو میرا کام خطرے میں تھا" جب اس شخص کی یہ حالت

ہے جسے لوگ مخلوقات میں سب سے زیادہ عادل تسلیم کرتے ہیں تو اپنی حالت کا خود اندازہ کرلو۔ اوروں کو تو میں بڑی لمبی نصیحت کرتا ہوں لیکن تمہارے۔لیے ایک مختصر سی تختی لکھ کر سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس تختی کو دیکھ کر اپنے والد مرحوم کی خصلت اختیار کرو۔ مثلاً اگر درباری یہ کہیں کہ آپ کے والد فلاں گاؤں سے اتنا ٹیکس وصول کرتے تھے آپ اس سے دس گنازیادہ لیں تو فی الفور کہہ دو کہ میں یہ زیادتی کیوں کروں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا تو میں کیوں نہ ڈروں۔ اگر وہ عاقل، نیک نام اور رعایا کا خیر خواہ تھا تو میں کیوں نہ اس جیسا ہوں۔ اگر لوگ کہیں کہ اپنی ریاست کے یہودیوں کو ملک بدر کردو تو ان سے پوچھو کہ میرے باپ کے عہد میں وہ کہاں رہا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ اسی ملک میں۔ تو تم بھی کہنا کہ جو قاعدہ میرے والد نے مقرر کیا ہے میں اسے کیوں توڑوں؟

واضح رہے کہ جو شخص اپنے والد کے قاعدے اور طریقے پر کاربند نہیں رہتا وہ عدل وانصاف میں عاقل نہیں ہوتا۔ اور عاقبت میں اسے بہشت نہیں ملتی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ پانچ سو سال کے فاصلہ سے اسکی بو سونگھ لے۔

بادشاہ سلامت! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لاؤ جو چار قسم کی ہیں۔ ایمان، اعتقاد صالح، خوبصورتی اور نیک اعمال۔ ان میں سے تین ہدیہ الٰہی ہیں اور ایک تمہارے اختیار میں ہے۔ جب تین اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہیں تو چوتھی یعنی نیک اعمال کے کرنے سے بھی دریغ مت کرو۔ اور اگر یہ نہ کروگے تو باقی تینوں کی بھی ناشکری کروگے۔

اے نودولتیو! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری دولت قائم ودائم رہے تو حقیقی دولت کیلئے جستجو کرو۔ کیونکہ تمہارا ملک ایک نہیں بلکہ دس ہیں۔ ایک یہ ملک خراسان اور یہ زمین وآسمان میں سے ایک ملک ہے جو آپ کی ملکیت ہے۔ قیامت

کے دن سب کو اس کے ساتھ ملا کر آپ سے پوچھا جائے گا کہ نعمت کا حق کیسے ادا کیا؟ کیونکہ بادشاہوں کے دل اللہ کا خزانہ ہوا کرتے ہیں کہ دنیا میں عذاب وثواب کا دارومدار ان کے دلوں پر ہے۔ اللہ فرمائے گا کہ میں نے تمہیں اپنا خزانہ سونپا اور تمہاری زبان کو اس خزانہ کی کنجی بنایا۔ بتاؤ اس میں دیانتداری سے کام لیا یا خیانت سے۔ جو شخص ایک بھی مظلوم کی دادرسی نہ کرسکا وہ خائن ہوگا۔

کان کھول کر سنو کہ دولت ختم ہونے والی شے ہے اور روز قیامت کی شرمساری ہمیشہ کیلئے ہوگی۔

اس کے علاوہ آپ سے دو طرح کی حاجتیں بیان کرنی ہیں ایک یہ کہ طوس کے باشندے پریشان حال ہیں۔ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سردی کی شدت اور بارش کی قلت سے تباہ ہوچکا ہے۔ سو سو سال کی عمر کے درخت بھی خشک ہو چکے ہیں۔ ان کی حالت پر رحم کریں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت کرے۔ مومنوں کی پیٹھ اور گردن بھوک کی بلاو مشقت سے ٹوٹ گئی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کے چوپایوں کی گردن گہنوں کے وزن سے نہ ٹوٹے۔ دوسری حاجت یہ ہے کہ میں نے بارہ سال ہوئے مخلوق سے روگردانی اور گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ فخر الملک نے مجھے حکم دیا تھا کہ نیشاپور چلے جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ آج کل کے لوگ میری باتوں کو برداشت نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس زمانہ میں جو بھی سچ بات کہتا ہے انسان تو درکنار در و دیوار بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اسلیئے میں نے دنیا دنیاداروں کے سپرد کر دی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ بادشاہ خود عادل ہے اور میں بھی تو مدد ومعاون ہونگا۔

آج یہ نوبت ہے کہ جو باتیں میں سنتا ہوں اگر خواب میں دیکھ لیتا تو ضرور کہتا کہ یہ پریشان خواب ہے۔ علوم عقلی کے بارے اعتراض پر مجھے تعجب نہیں

کیونکہ میرے کلام میں ایسی دقیق و نادر چیزیں ہیں جنکی سمجھ کسی دوسرے کو نہیں آسکتی لیکن اللہ کے فضل و کرم سے اپنے کہے کی تشریح و توضیح کیلئے میں ہر وقت حاضر ہوں اور ایسا کرنا میرے لیے کوئی مشکل نہیں۔ لیکن یہ جو کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے طعن و تشنیع سے کام لیا ہے تو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے اس ذات کی قسم جو غالب، مدرک، اور نفع و نقصان پہنچانے والی ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، امام ابو حنیفہؒ معانی فقہ کے حقائق میں امت محمدیہ ﷺ کے اخص الخواص شخص ہیں۔ اور جو شخص میرے عقیدہ، خط یا لفظ سے اسکے علاوہ کوئی بات کرتا ہے، وہ جھوٹ کہتا ہے۔ میرا عقیدہ وہی ہے جو احیاء العلوم میں سیرت علماء کے شروع میں بیان کیا ہے۔ مختصراً میری غرض و غایت یہ ہے کہ مجھے نیشاپور، طوس اور دوسرے شہروں کی تدریس سے معاف رکھا جائے تاکہ میں سلامت رہوں کیونکہ یہ زمانہ میری باتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔

ملک الاسلام کا جواب

جب آپ مذکورہ بالا تقریر فرما چکے تو ملک الاسلام نے جواب دیا کہ مناسب یہی ہے کہ خراسان اور عراق کے تمام علماء جمع ہوں تاکہ آپ کا کلام سنیں اور آپ کے اعتقاد کا انہیں علم ہو جائے۔ اب یہ التماس ہے کہ جو تقریر آپ نے ابھی فرمائی ہے اسے لکھ کر ہمارے روبرو پڑھیں اور ہم اسکے نسخے متعدد ممالک میں بھیجیں تاکہ آپ کی آمد کی اطلاع سب کو ہو جائے۔ اور عوام کو یہ بات بھی معلوم ہو جائے کہ ہم علماء کے کیسے معتقد ہیں۔ لیکن تدریس سے معاف رکھنا ممکن نہیں۔

فخر الملک ہمارا نوکر تھا جو آپ کو نیشاپور لے گیا۔ ہم آپ کیلئے مدرسے بنوائیں گے اور حکم دیں گے کہ علمائے اسلام ایک دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مشکلات کو حل کرائیں اور اگر کسی کو اختلاف ہے تو اپنے شکوک رفع کرائے۔"

جب ملک الاسلام نے آپ سے مذکورہ بالا تقریر اپنے دست مبارک سے لکھنے کی درخواست کی۔ تو آپ لشکر گاہ سے شہر طوس میں تشریف لے گئے۔ اہل طوس آپ کے استقبال کو ٹوٹ پڑے اور عظیم الشان جشن منایا گیا۔ آپ نے تقریر لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھیج دی۔ شکار سے واپسی پر بادشاہ کو وہ تقریر سنائی گئی۔ بادشاہ نے شکار کا کچھ حصہ آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تو آپ نے "نصیحت الملوک" تصنیف فرمائی اور بادشاہ کی خدمت میں ارسال فرمائی۔ یہ مختلف قسم کی نصیحتوں کے بارے ایک نہایت بلیغ کتاب ہے۔ اور اس میں عدل و انصاف کا درس دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی پشت پر آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک تحریر لکھی جس میں ملک الاسلام کے لیے نصیحت تھی ۴۹۹ھ میں آپ کو یہ تکلیف دی گئی۔ حالانکہ اس سے پہلے بارہ سال آپ گوشہ نشینی میں بسر کر چکے تھے۔

طوس میں آپ کے اس درجہ عزت و احترام کو دیکھ کر اہل تعصب شرمندہ ہوئے لیکن پھر آپ کے خلاف شور بلند کیا اور مجمع اکٹھا کر کے آپ کی خدمت میں آئے۔ اس وقت آپ خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے کہ ہمیں آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے۔ آپ نے اجازت دی تو کہنے لگے کہ آپ کس کے مذہب پر عمل پیرا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ معقولات میں میرا مذہب دلیل عقلی ہے اور شریعت میں قرآن مجید ہے۔ اماموں میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتا۔ نہ امام شافعی کا مجھ پر حصہ ہے نہ امام ابو حنیفہؒ کا حق۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو اپنا سا منہ لیکر چلے گئے پھر چند ایک الفاظ جن پر انہیں اعتراض تھا، لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیج دیئے آپ نے ان کا جواب فوراً لکھ کر واپس بھیج دیا۔

اعتراضات کی نوعیت

آپ کی تحریر کردہ کتابوں "مشکٰوۃ الانوار" اور "کیمیائے سعادت" کے کچھ حصوں پر انہوں نے اعتراضات کیے تھے مثلاً لا الہ الا اللہ عوام کی توحید ہے اور لا ھو الا ھو خواص کی توحید ہے اور نور حقیقی خدا ہے۔

انسان کی روح اس جہان میں مسافر ہے اور اس کا تعلق عالم علوی سے ہے اور اس کو اشتیاق بھی اسی جہان جانے کا ہے بظاہر یہ عقائد فلسفیوں اور عیسائیوں کے ہیں اور یہ اس قسم کی باتیں ہیں جنہیں تشریح کی ضرورت ہے تاکہ دشمنوں کے اعتراضات باقی نہ رہیں اور انہیں حقیقت حال سے آگاہی حاصل ہو جائے۔

آپ کے جوابات

اللہ تعالیٰ ہی موفق اعلیٰ ہے۔ واضح رہے کہ سوال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی مریض کسی طبیب سے اپنی بیماری کی شکایت کرتا ہے۔ اور جواب دینا ایسا ہے جیسے حبیب کا شفائے بیمار کیلئے کوشش کرنا۔ جاہل لوگ بیماروں کی طرح ہیں کیونکہ ان کے دل بیمار ہوتے ہیں۔ اور علماء طبیب ہیں۔ ناقص عالم طب کیلئے موزوں نہیں۔ اور عالم کامل صرف اس کا علاج کرتا ہے جسے شفا ملنے کی امید ہو۔ لیکن اگر مرض پرانا ہو اور بیمار جاہل تو لائق طبیب کا کام ہے کہ اسے کہہ دے کہ تیرا مرض لاعلاج ہے۔ اور اس کا علاج کرنا محض تضیع اوقات ہے۔

جہالت کے مریض اور ان کی اقسام

جہالت کے مریض چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک قسم علاج پذیر ہے باقی تین لاعلاج۔

(۱) وہ شخص جس کا اعتراض حسد پر مبنی ہو اور حسد ایک مرض ہے جس کا علاج ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے اعتراض کا جواب جس قدر اچھا اور واضح ہو گا، اتنا ہی حاسد کا غصہ بڑھے گا۔ اور حسد کی آگ اس کے اندر بھڑک اٹھے گی۔ اس لیے اس کا جواب ہی نہیں دینا چاہیے۔

كل العداوة قد يرجى اماتتها
الا عداوة من عاداك من حسد

اور تو ہر قسم کی عداوت کے دور ہونے کی امید کی جا سکتی ہے لیکن جو عداوت حسد کی وجہ سے ہو اسکے دور ہونے کی امید نہیں اس لیے اس شخص کے لیے یہی مناسب ہے کہ اسی مرض میں مبتلا رہے اور اس سے منہ پھیر لینا چاہیے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حکم باری تعالیٰ ہے۔ واعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیواۃ الدنیا ذالک مبلغھم من العلم. جن لوگوں نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی ہے ان سے منہ پھیر لو۔ وہ محض دنیاوی زندگی کے حصول پر خوش ہیں اور یہی ان کا مبلغ علم ہے۔ اور حاسد بیچارہ تو اپنے خرمن میں ہی آگ لگاتا ہے والحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب. حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔ اس لیے یہ قابل رحم ہے نا کہ قابل بحث و مباحثہ۔

(۱) دوسری قسم کے بیمار وہ ہیں جو حماقت اور بے عقلی کی وجہ سے بیمار ہوں۔ یہ بھی ناقابل علاج ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے رہے لیکن احمق کے علاج سے عاجز رہے۔ اور ان میں وہ اشخاص شامل ہیں جنہوں نے علوم عقلیہ میں عمر صرف نہیں کی اور اس شخص پر اعتراض کرتے ہیں جس کی ساری عمر انہیں علوم میں گزر گئی۔ اس شخص کو اتنا بھی علم نہیں کہ جو اعتراض ایک عام آدمی

کے دل میں آیا ہے وہ ایک عالم کے ذہن میں نہ آیا ہو گا؟ بات قابل غور ہے کہ عالم نہ جانے اور ایک عام آدمی جان لے۔ تمام فقیہ، ادیب، مفسر، محدث اور طرح طرح کے علوم میں مشغول افراد علوم عقلیہ میں ایک عام آدمی کی طرح ہیں اور بہت سے متکلم بھی ایسے ہیں کہ علم کلام پڑھنے کے باوجود انہوں نے تحقیق و تدقیق نہیں کی۔ جب ان لوگوں کے اعتراضات قابل توجہ نہیں تو پھر ان لوگوں کے اعتراض جنہوں نے دوسرے علوم میں بھی توجہ نہیں کی، کس طرح قابل توجہ ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کا قصہ اس نکتہ کی تشریح وضاحت ہے اگر عام آدمیوں میں سے کوئی شخص کشتی میں سوراخ کردے تو اس پر اعتراض ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی جید عالم ایسا کرے تو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کا معاملہ عام آدمیوں کی طرح عالم بھی جانتا ہے لیکن عالم اس کے علاوہ کچھ اور بھی جانتا ہے۔ جو علم کے اعتبار سے جائے انکار نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی معرفت، ربوبیت اور آسمان و زمین کی ملکیت کا علم جولاہے کے کام سے کم نہیں یعنی اگر کوئی شخص تمام کائنات کے علوم و فنون سیکھ لے اور جولاہے کا کام نہ سیکھے تو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ جولاہے پر اعتراض کرے بلکہ اگر اس کے دل میں اعتراض پیدا بھی ہو تو اسے اپنا قصور سمجھے۔ جب اس قسم کا جاہل اعتراض کرے تو اس سے روگردانی کرتے ہوئے اسے جواب نہیں دینا چاہیے۔

(۳) تیسری قسم کا مریض وہ ہے جو نیکی کا طالب ہو اور جو کچھ اس کی سمجھ میں نہ آئے اسے اپنے علم کا قصور سمجھے اور اعتراض نہ کرے بلکہ واقفیت حاصل کرنے کیلئے سوال کرے تاکہ اسے سیدھا راستہ ہاتھ آجائے۔ اگر ساتھ ہی کند ذہن ہو اور اس علم کی باریکیوں سے ناواقف ہو تو ایسے شخص کو بھی جواب نہیں دینا چاہیے۔

جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ **نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم** ہم گروہ انبیاء ہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ

لوگوں کی عقلوں کے مطابق ان سے گفتگو کریں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے جھوٹ بولا جائے بلکہ یہ کہ جو کچھ ان سے بولا جائے وہ سمجھ لیں اور جس کو وہ سمجھ نہیں سکتے وہ ان سے بیان ہی نہ کریں۔ بلکہ ایسے شخص کو تنبیہ کریں کہ یہ تیرا کام نہیں کیونکہ اگر اسے بتا بھی دیا جائے تو وہ انکار ہی کرے گا۔ **واذ لم یهتدوا به فسیقولون هذا افک قدیم بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمه ولما یاتهم تاویله.** جب وہ ہدایت نہیں پا سکتے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ یہ پرانی افترا ہے اور جب اس کی تاویل کی جاتی ہے تو کم علمی کی وجہ سے اس کی تکذیب کردیتے ہیں۔ اس آیت کا مصداق بھی یہی لوگ ہیں۔

(۴) چوتھی قسم کا بیمار وہ شخص ہے جو راہ راست کی طلب کرتا ہے۔ عقلمند اور تیز فہم ہوتا ہے، غضب، شہوت، اور مال و مرتبہ کی محبت میں مغلوب نہیں ہوتا۔ صرف اس قسم کا مریض قابل علاج ہے۔ اور اسی کے واسطے میں ان مسائل کا جواب لکھ رہا ہوں۔ اسلئے اگر کسی شخص کو اس جواب سے شفا حاصل نہیں ہوئی تو تعجب نہ ہو۔ وہ ضرور پہلی تین قسموں میں سے ہوگا اور مخلوق خدا کا اکثر حصہ انہیں تین پر مشتمل ہے۔ اور چوتھی قسم کے مریض کمیاب ہیں اور شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔

لا اله الا هو کی وضاحت

مجھ سے جو مسئلہ پوچھا گیا ہے کہ **لا اله الا الله** عوام کی توحید ہے اور **لا هوالا هو** خواص کی توحید ہے، تو اس پر دو طرح کے اعتراضات ہو سکتے ہیں۔

(۱) **لا اله الا الله** کی افضلیت کم کردی گئی۔

(۲) **لا هوالا هو** پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہاں تناقض پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں **مستثنی** عین **مستثنی** منہ ہے اور ایک ہی چیز **مستثنی** اور **مستثنی** منہ کیسے ہو سکتی ہے۔

پہلا اعتراض اعتراض ہی نہیں کیونکہ اس کے معنی وہی ہیں جو عام طور پر لاالٰہ الااللہ سے لیے جاتے ہیں۔ اور تمام مومنین اس میں شامل ہیں خواہ کوئی ناقص ہو یا کامل۔ اور تو اور یہودی اور عیسائی بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ اس کلمہ کی قبولیت تمام مخلوق کیلئے باعث سعادت ہے۔ اور عیسائی جو "ثالث ثلثہ" کہتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدا تین ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ذات کے لحاظ سے اللہ ایک ہے صفات کے اعتبار سے تین ہیں اور ان کے الفاظ یہ ہیں واحد بالجوھریۃ ثلث بالاقنومیۃ۔ یعنی خدا کی ذات بلحاظ ذات ایک ہے اور بلحاظ صفات تین۔ اقنوم کے معنی صفات کے ہیں۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو لاھو الاھو میں لاالہ الاھو کے تمام معنی مضمر ہیں۔ لیکن اس میں زیادتی ہے جو سوائے خواص کے کسی کو سمجھ نہیں آسکتی۔ عوام اسکی سمجھ سے قاصر ہیں مگر لاالٰہ الااللہ کے معنی عام لوگ بھی سمجھ لیتے ہیں۔

توحید کے مدارج

توحید کے مختلف درجے ہیں اور اسے مثال سے سمجھا جا سکتا ہے جس طرح اخروٹ کا چھلکا سخت ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک نرم چھلکا ہوتا ہے۔ اس کے اندر مغز ہوتا ہے اور مغز کے اندر پھر مغز یعنی روغن۔ اسی طرح توحید کے بھی مختلف درجے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) پہلا درجہ لاالٰہ الااللہ زبانی کہنا ہے جس میں دلی اعتقاد شامل نہیں ہوتا۔ اس میں تمام منافق بھی شامل ہوتے ہیں۔ ایسی توحید کی حرمت بیان کی گئی ہے کیونکہ اس سے دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں یعنی جان و مال محفوظ رہتے ہیں لیکن اخروی سعادت نہیں ملتی۔

(۲) دوسرا درجہ اس کے معنوں پر اعتقاد رکھنا ہے لیکن تحقیق کیے بغیر محض تقلیداً۔ اس میں عوام الناس شامل ہیں۔ ایسے لوگوں کو دونوں جہان کی سعادتیں میسر آتی ہیں۔ چونکہ تمام انبیاء کی تصدیق اسی سے ہوئی ہے۔ اس لیے ایسے لوگ دونوں جہانوں میں نجات پا جائیں گے اگرچہ انہیں اہل معرفت کا سا مقام نہیں ملے گا۔

(۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کلمہ کے معنی دلیل و برہان سے متعین کیے جائیں اور اس طرح تصدیق کریں جیسے یہ امر مصدقہ ہے کہ تیرہ انتالیس کا تیسرا حصہ ہے۔ حسابی طریقہ سے اس طرح بذریعہ دلیل اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو ایسے آدمی کی طرح نہ ہو کہ جسے خود تو حساب آتا نہیں کسی سے سن رکھا ہو کہ تیرہ انتالیس کا تیسرا حصہ ہے۔ اور صرف تقلید سے اس کی تصدیق کرتا ہو۔

ان تین درجوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا صاحب مقال، دوسرا اصحاب عقیدہ اور تیسرا اصحاب معرفت ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی صاحب حال نہیں۔

(۴) چوتھا درجہ یہ ہے کہ عارف ہونے کے علاوہ صاحب حال بھی ہو یعنی سوائے ایک کے اس کا کوئی معبود نہ ہو۔ جس پر حرص و ہوا کا تسلط ہو اس کا معبود بھی حرص و ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے حرص و ہوا کو معبود بنا رکھا ہے۔

معبود وہ ہے جس کی عبادت کی جائے، اسی کے خیال میں مگن رہیں اور اسکے بندے بن جائیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ فلاں خر بندہ ہے اور فلاں شکم بندہ ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے "تعس عبدالدرھم و تعس عبدالدینار" یعنی درھم و دینار کے بندے کیلئے ہلاکت ہے۔ یعنی جو جس چیز کا طالب ہے اسی کا بندہ ہے۔ تو جو شخص حرص و ہوا اور خواہشات نفسانی کو زیر کر کے اللہ تعالیٰ کے فرمان

پر عمل پیرا ہے۔ وہی کلمہ لاالہٰ الا اللہ کے معنی کا صحیح مصداق ہے۔ اور اسی کی توحید احوال واقوال کے درجہ پر پوری اترتی ہے۔ اور جس کی یہ حالت نہیں تو وہ اس کلمہ کے مقصود حقیقی سے محروم ہے اور زبان سے کہنا اور دل کا انکار کرنا کلمہ کے درست ہونے کے باوجود جھوٹ ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

لا یزال و لا اِلہٰ الا اللہ رافعا عن الخلق عذاب اللہ مالم یوثروا صفقة دنیاھم علی صفقة دینھم فاذا اثروا اثم قالوا لااِلہٰ الا اللہ کذبتم لستم بھا صادقین۔

کلمہ لاالہٰ مخلوق سے عذاب الٰہی دور کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دین کو دنیا پر ترجیح دیکر پڑھا جائے اگر دنیا کو دین پر ترجیح دیکر پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے جھوٹ بولا ہے اس بارے تم سچے نہیں ہو۔

جو شخص اس کلمہ کے معنی جانتے ہوئے اس کی ادائیگی زبان سے کرتا ہے اور اس کا دل دنیاوی جاہ ومرتبہ کی طرف مائل ہے تو تمام فرمودات الٰہیہ میں نہ سہی اس کلمہ کے بارے وہ جھوٹا ہے۔ بلکہ پہلا جھوٹ اس کا یہ ہے کہ نماز کے وقت اللہ اکبر کہتا ہے تو اسے جواباً کہا جاتا ہے کہ جھوٹ نہ بول۔ کیونکہ اگر تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی کا خوف ہوتا تو اسکی فرمانبرداری کرتا نا کہ شیطان کی اور اسے (اللہ کو) طلب کرتا نا کہ دنیاوی خواہشات کو۔ اور جب وہ کہتا ہے۔ **انی وجھت وجھی للذی فطر السموات** میں اپنا چہرہ اس کی طرف کرتا ہوں جو آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے، تو اسے کہا جاتا ہے کہ جھوٹ نہ بول۔ کیونکہ اگر تیری مراد ظاہری چہرہ سے ہے تو تو نے اس طرف رخ نہیں کیا کیونکہ وہ اس طرف ہے ہی

نہیں۔ اور اگر تیری مراد دلی رخ سے ہے تو وہ تو دنیاوی مرتبہ، شان وشوکت اور خواہشات کی طرف ہے۔ پھر جھوٹ کیوں بولتا ہے اور وہ بھی ایسی ذات کے سامنے جو تیرے بھیدوں سے واقف ہے اور اسے معلوم ہے کہ تیرا چہرہ دل کس طرف ہے۔ اور جب وہ کہتا ہے۔ **ایاك نعبد۔** ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تب بھی اسے جھٹلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تو درہم ودینار کا بندہ اور جاہ وحشمت کا غلام ہے اور ان کی عبادت کرتا ہے کیونکہ عبادت اسی کی ہوتی ہے جس کا خیال غالب ہوتا ہے۔ پس جو شخص لاالہٰ الا اللہ کا اہل ہے لیکن اس کی حالت مذکورہ بالا ہے تو وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جس نے تمام خواہشات کو تقویٰ کی لگام دے رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔

واضح رہے کہ توحید اور معرفت مسہل غذا کی طرح ہیں جن کا اصل مقصد باطن کو گندگی سے صاف کرنا ہے۔ اگر انسان مسہل کھائے اور وہ اپنا کام نہ کرے تو ایسے مسہل سے شفا اور سلامتی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس میں زیادہ خطرہ پنہاں ہے۔ اسی طرح اگر توحید کا مسہل دل میں داخل ہو کر حرص وہوا کی بیماری کو نہ گھٹائے تو وہ ایسے مسہل کی طرح ہے جو اثر نہیں کرتا۔ یہ شخص اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جسے توحید نے تمام تعلقات سے کنارہ کشی پر مجبور کر دیا ہو گو یہ دونوں لاالہ کے اہل ہیں لیکن پھر بھی ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

(۵) پانچواں درجہ یہ ہے کہ توحید کا یہ مسہل اس کے باطن میں صرف اس قدر عمل نہ کرے کہ خواہشات کو مغلوب کرے بلکہ حرص وہوا کو بالکل مٹا دے۔ تاکہ آئندہ وہ شخص کسی کام میں حرص وہوا کی فرمانبرداری نہ کرے۔ نہ شریعت کے موافق نہ اس کے مخالف۔ بلکہ اس کا ایک ہی ارادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر حرکت، گفتگو اور اعمال سرانجام دے۔ اگر روٹی کھائے تو اس لیے نہیں کہ

طعام کی لذت حاصل کرے بلکہ اس لیے کہ اطمینان سے عبادت کر سکے تاکہ رکاوٹیں دور ہو جائیں۔ اور اسے اس چیز کا بھی پتہ نہ چلے کہ کھانا معدہ میں جاتا ہے یا اس سے نکلتا ہے یعنی دونوں کام عبادت کے لیے کرے۔ اگر سوئے تو آرام کی خاطر نہیں بلکہ از سر نو عبادت کیلئے قوت حاصل کرنے کیلئے۔ اگر نکاح کرے تو شہوت مقصود نہ ہو بلکہ سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے کیلئے۔ الغرض اسے تمام اعمال کی کیفیت ایسی ہو کہ حکم خدا کے بغیر نہ کچھ کہے سنے اور نہ ہی دیکھے۔

اس درجے اور چوتھے درجے میں بڑا فرق ہے کیونکہ توحید نے اس کو خواہشات سے فارغ نہیں کیا، صرف شریعت کی خلاف ورزی سے روکا ہے اور اس شخص کو تو مطلق شہوات سے بری کر دیا ہے۔

(۶) چھٹا درجہ یہ ہے کہ توحید اسے اپنی ذات، تمام کائنات اور آخرت سے بھی اسی طرح نکال دے جیسے دنیاوی خواہشات سے نکال باہر کیا ہے۔ اس کی سوچ، فکر اور ادراک کے سامنے نفس رہے نہ دنیا و مافیہا بلکہ صرف ذات حق رہ جائے۔ اپنے آپ کو فراموش کر دے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کو بھول جائے، سب سے غائب ہو جائے اور سب اس سے غائب ہو جائیں۔ نہ وہ رہے نہ جہان صرف حق رہ جائے۔ قل اللہ ثم ذرھم۔ اسکے حال پر صادق آئے۔ اور کل شئی ھالک الا وجھہ اسے میسر آئے۔ اہل توحید اس حالت کو فنا فی التوحید کہتے ہیں کیونکہ سوائے حق کے سب کچھ فانی ہوتا ہے۔ اس طرح کہ اگر اسے اپنی فنا کا خیال آئے تو بھی حق تعالیٰ میں مشغول ہو اور اس چیز میں تدبر و تفکر کا دخل بھی نہ ہو۔ اور توحید کا کمال یہ ہے کہ فرمایا۔

لایزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا اجبتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی

یبصر بہ و لسانہ الذی ینطق بہ۔

جب انسان نوافل کے ذریعے میرے قرب کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محبت کرتا ہوں۔ پس جب میں اسے پیار کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔

پانچویں درجے والا خود موجود ہوتا ہے، خود بولتا ہے، خود سنتا ہے، خود دیکھتا ہے لیکن حق کی خاطر نہ کہ اپنی خاطر، مگر چھٹے درجے والا نہ خود ہوتا ہے نہ خود دیکھتا ہے، نہ خود سنتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو ان اعضاء میں دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ ما رأیت شیئا الا و رأیت اللہ عزوجل معہ. میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھا ہو۔ یہ شخص اللہ کے سوا کسی چیز کو نہیں دیکھتا اور کہتا ہے۔ ماری الا اللہ ولیس فی الوجود غیر اللہ. میں اللہ کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا اور میرے اندر اللہ کے علاوہ کچھ نہیں۔ پس اس مرد کی توحید اس کی توحید کا ایک جزو ہے۔ کیونکہ اس نے معبود جزوی کی نفی کی اور اس نے موجود جزوی کی نفی کی۔ اور نفی موجود میں نفی معبود زیادہ ہے۔

جس طرح اس شخص کے توحید اور توحید کے درجات پوشیدہ ہیں اور ضمناً اسے حاصل ہوتے ہیں اسی طرح باقی تمام کی توحید بھی اسے حاصل ہے اسلیئے وہ مرد اس مرد خاص الخاص کے مقابلہ میں عام ہے جس طرح اس سے کم درجہ اس کے مقابلہ میں عام ہیں۔

توحید کا کمال یہ چھٹا درجہ ہے۔ اس درجہ والوں کو اس حالت کے غلبہ کے وقت سکر کا شبہ ہوتا ہے اور اس حالت میں ان سے دو طرح کی غلطیوں کا

امکان ہوتا ہے۔ ایک یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اتحاد حاصل ہو گیا ہے یعنی یہ خود حق بن گئے ہیں۔ اور دونوں ایک ہو گئے ہیں یا پھر یہ جانتے ہیں کہ اتحاد محال ہے لیکن ساتھ ہی یہ خیال آتا ہے کہ اتحاد حاصل ہو گیا ہے یعنی حلول ہو گیا ہے۔ اسی لیے ان لوگوں کے منہ سے نکل جاتا ہے کہ "میں خدا ہوں" اور "میں پاک ہوں اور میری شان کیا ہی اعلیٰ ہے"۔ "انا الحق" اور "سبحانی ما اعظم شانی" جب حالت سکر ختم ہوتی ہے تو پھر انہیں معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ تو بہت بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ حلول تو عرض کو جوہر میں یا جسم کو کسی مجوف جسم میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔ اور دو چیزوں کا اتحاد ناممکن ہے خواہ دونوں محدث ہوں۔ اسلیئے کہ جب وہ متحد ہو گئیں تو تین حالتوں سے خالی نہیں ہوں گی۔ یا دونوں جسم موجود ہوں گے تو اتحاد کیسا۔ یا دونوں معدوم ہوں گے ایسی صورت میں دونوں نیست۔ یا ایک موجود ہو گا اور دوسرا نیست۔ تو بھی ایک کے غائب ہونے کی وجہ سے اتحاد تو نہ ہوا۔ پس توحید کا کمال ہے کہ سوائے ایک کے دوسرا موجود نہیں نہ یہ کہ سوائے ایک کے معبود نہیں۔ اگرچہ یہ بھی درست ہے لیکن اس میں شامل ہے اور اس سے زیادہ ہے۔

سوال

آپ کہتے ہیں کہ اس میں وہ شامل ہے اور یہ اس سے زیادہ ہے۔ یہ تو محال امر ہے کیونکہ آسمان، زمین چاند، ستارے، فرشتے اور شیطان سبھی موجود ہیں۔ پھر اس کے کیا معنی کہ ایک کے سوا اور کوئی موجود نہیں؟

جواب

ایک کے سوا اور کوئی نہ ہونے کا مفہوم

سنو! اگر عید کے دن بادشاہ جنگل میں جا کر اپنے تمام غلاموں کو اپنے

جیسے گھوڑے اور سازو سامان عطا کرے تو جو شخص انہیں دیکھے گا یہی کہے گا کہ دولتمندی میں یہ سب برابر ہیں۔ اس کی یہ بات وہ شخص تو سچ مانے گا جسے بادشاہ کے متعلق علم نہیں لیکن جو اس سے واقف ہے وہ کہے گا کہ بادشاہ نے ان غلاموں کو یہ انعام واکرام عاریۃً بخشا ہے عید کی نماز کے بعد واپس لے لیگا۔ ایسی صورت میں وہ غلام دولت مند نہیں، دولتمند تو بادشاہ ہے۔ اور حقیقتاً ایسا ہی ہے کیونکہ مستعار لی گئی چیز کچھ عرصہ بعد واپس لوٹانا پڑتی ہے اور یہ کہنا کہ یہ میری چیز ہے ایک مجازی امر ہے کیونکہ عاریۃً لینے والا تو غریب ہی ہے اور امیر تو دینے والا ہے اور چیز جتنا عرصہ اس سے جدا رہی تب بھی اس کی امیری پر فرق نہیں آتا۔ اب سمجھ لو کہ تمام چیزوں کا وجود مستعار ہے لیکن چیزوں کی ذات سے نہیں لیا گیا بلکہ حق تعالیٰ سے لیا گیا ہے اور حق تعالیٰ کا وجود ذاتی ہے کسی اور جگہ سے نہیں آیا۔ ہست حقیقتاً وہی ہے باقی تمام چیزیں ہست نما ہیں۔ لیکن جو شخص نہیں جانتا اس کے حق میں عاریۃ ہیں۔ اسلیئے جو شخص حقیقت امر سے آگاہ ہے اس کیلئے کل شیء ھالک الا وجھہ۔ اس کی ذات کے سوا باقی سب چیزیں فانی ہیں۔ اور ایسا ازل سے ابد تک ہے نہ کہ کسی خاص وقت کیلئے، بلکہ تمام چیزیں اس کی ذات کی موجودگی میں معدوم ہیں اور ان کا وجود ان کی ذات سے نہیں بلکہ ذات حق سے باقی ہے۔ پس یہ موجود مجازی ہے نہ کہ حقیقی۔ اسلیئے یہ بات کہ "اس کے سوا کوئی موجود نہیں" درست ہے۔ جب یہ درست ہے تو "لا ھو الا ھو" بھی درست ہے۔ کیونکہ ھو کا اشارہ موجود کی طرف ہے۔ اگر کوئی ایسا موجود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور بھی موجود ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا درست نہیں ہو سکتا کہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں لا الہ الا ھو کے یہی معنی ہیں۔ اگر کوئی نہ سمجھ سکے تو وہ معذور ہے کیونکہ اسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

اللہ ھوالنور کا مطلب

سوال

اللہ ھوالنور کے کیا معنی ہیں کیونکہ نور وہ ہوتا ہے جس کی روشنی اور شعاع ہو؟

جواب

اسکے معانی بھی قرآن مجید میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ جو شخص غور و فکر کرے، معلوم کر سکتا ہے۔ اگر نور کے یہی معنی ہوتے جس کی روشنی اور شعاعیں ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید اور رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات کو نور نہ کہتا۔ اور وَاَنْزَلْنَاعَلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا کے کوئی معنی نہ ہوتے اور نہ ہی فرماتا۔ اللہ نور السموت والارض.

واضح رہے کہ نور سے مراد وہ چیز ہے جسے نہ دیکھ سکیں لیکن اس کے ذریعے دوسری اشیاء کو دیکھا جا سکے۔ اور یہ اضافت ظاہری جسے بصر کہتے ہیں دل کی بھی آنکھ ہوتی ہے اور اس آنکھ کا نور بھی ہوتا ہے۔ جس طرح ظاہری آنکھیں نور سے دیکھتی ہیں اسی طرح دل کی آنکھیں بھی نور باطنی سے دیکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عقل کو نور کہا گیا ہے۔

قرآن مجید کو نور کہا گیا ہے اور رسول کریم ﷺ کو نور کہا گیا ہے۔ آپ ﷺ کو دلی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں اور آپ کے ذریعے دوسری چیزیں دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح قرآن اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتا اسلیئے نور کا اطلاق اسکے حق میں بہت بہتر ہے۔ ظاہری آنکھوں کے نور سے چیزیں دکھائی دیتی ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی، اسی طرح عقل اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی لیکن

دوسری چیزوں کو دیکھتی ہے پس ظاہری آنکھ کی روشنی اور شعاع اور ہے اور باطنی آنکھ کی روشنی اور۔ چشم باطنی کے لحاظ سے قرآن مجید بھی نور ہے اور رسول کریم ﷺ کی ذات بھی نور ہے۔ جب یہ جائز ہے کہ عقل کو اس لیے نور کہیں کہ وہ چیزوں کے دکھانے کا سبب ہے تو اللہ تعالیٰ کو نور کہنا بھی درست ہے کیونکہ عقل اور دکھائی دینا اسی کی قدرت میں ہیں۔ تمام ظاہری و باطنی آنکھیں اسی کی عطا کردہ ہیں اور پوری کائنات کا نور و ظہور اسی کی طرف سے ہے۔ جب معانی بھی درست ہو گئے اور لفظ بھی قرآن و حدیث میں آیا ہے تو اس کے یقین کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں رہتی۔ اس بات کی زیادہ وضاحت ''مشکوۃ الانوار'' میں تحریر کی گئی ہے اگر لفظ پر اعتراض ہے تو قرآن مجید میں لفظ نور اللہ کیلئے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے اللہ نور السموات والارض۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور ﷺ سے شب معراج کی بابت پوچھا گیا کہ کیا آپؐ نے اللہ کو دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا نور انی اری. بیشک میں نے اپنے رب کو دیکھا وہ نور ہے۔ اسکے بعد معانی پر اعتراض بھی باقی نہیں رہتا اب بھی کوئی نہ مانے تو یہ جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

سوال

انسانی روح اس جہان میں مسافر ہے اور اس کا حقیقی میدان عالم علوی کی طرف ہے۔ یہ عیسائی فلسفیوں کا قول ہے۔ آپ کی رائے اس بارے کیا ہے؟

جواب

سچ اور جھوٹ کا معیار

عیسائیوں کا قول لا الہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ سچ ہے جھوٹ نہیں۔ اگر کوئی جھوٹا شخص سچی بات کہے تو اسلیئے کہ ایک جھوٹے نے وہ بات کہی ہے، غلط

نہیں ہو جاتی، یہ سراسر جہالت ہے کہ انسان یہ سوچے کہ جب کسی سے ایک جھوٹ سرزد ہو گیا تو پھر جو بات بھی کہے گا جھوٹی ہو گی۔ اگر ایسا ہو تو کافر اور جھوٹا شخص جو بھی حق بات زبان سے ادا کر دیگا جھوٹی ہو جائے گی۔ حضرت علیؑ کا قول ہے۔ **لایعرف الحق الا بالرجال واعرف الحق من یعرف اھلہ**. حق بات انسانوں سے ہی معلوم کی جاتی ہے لیکن حق کو وہی زیادہ پہنچانتا ہے جو حق والوں کو پہچانتا ہے۔ اسلیئے یہ باتیں قرآن سے ثابت ہیں۔ کہ روح انسانی اس جہان میں مسافر ہے، اصل میں بہشت سے متعلق ہے، اس کا کام فرشتوں کی طرح ہے، اس کی قرارگاہ وہ جگہ ہے جسے عالم علوی اور جنت کہتے ہیں۔ اسلیئے فلسفیوں یا نصرانیوں کا اس بات کو بیان کرنا اسکے بطلان کی دلیل نہیں۔ لیکن از روئے بصیرت جو شخص انسانی روح کی حقیقت سے واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کی خاصیت بارگاہ الٰہی کی معرفت ہے۔ اور عرض کیلیئے روا نہیں کہ معرفت الٰہی اور معرفت ربوبیت کے بغیر رہ سکے۔ اسکی زندگی، بقا، خوشی اسی ذات کے قرب سے وابستہ ہے۔ اسکی تحقیق و تشریح "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت" میں کی گئی ہے۔ اگر کوئی تعصب کی عینک اتار کر ان کتابوں کا مطالعہ نہ کرے تو اس مختصر بحث سے تو اس کی تشفی ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ دشمنی اور حسد کی زبان نہیں سکتی۔

اور ان چیزوں میں دل لگانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر واقعۃ کسی کو ان چیزوں کے علم کی طلب ہے اور کتابوں سے اسے یہ بات نہیں حاصل ہو سکتی تو میرے پاس آکر پڑھے۔ **فالعلم مایوخذ من افواہ الرجال** . کیونکہ علم وہ ہے جو آدمیوں کے منہ سے حاصل کیا جائے۔ پانچوں کتابوں میں میں نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جو میں دلیل قطعی سے ثابت نہ کر سکوں۔ لیکن ایسے شخص کے سامنے ثابت کر سکتا ہوں جو سمجھ سکتا ہے اور حسد و عداوت کے مرض سے پاک ہے نہ کہ وہ شخص جس کے متعلق کہا گیا ہے۔

انا جعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ وفی آذانھم وقر وتدعھم الی الھدی فلن یھتدوا اذا ابدا۔

ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے اسلیئے وہ سوچ بچار نہیں کر سکتے۔ ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے۔ تم انہیں ہدایت کی طرف بلاتے ہو لیکن وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔

مجھ سے کہا گیا ہے کہ جو باتیں مشکل ہیں ان کی تشریح کر دیں تاکہ آسانی سے سمجھ میں آجائیں تو واضح ہو کہ کوئی بات میری کسی کتاب میں ایسی نہیں جس کی شرح ساتھ نہ ہو۔ جو سمجھ سکتا ہے وہیں سے سمجھ لے اور اگر کسی کو سمجھ نہیں آتی تو بالمشافہ سمجھ لے۔ جاہل کا پتہ نہیں چلتا کہ کس بنا پر اس نے اعتراض کیا ہے۔ اسلیئے اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوتا ہے کیونکہ جہالت اور دل کی بیماریوں کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں دل نہیں لگانا چاہیے۔ اسلیئے کہ اگر انہیں اعتراض سے کوئی چیز روک سکتی تو وہ قرآن تھا جب ان کے اعتراضات قرآن کے ذریعے نہیں رد کیے جا سکتے تو دوسرے کسی ذریعہ سے ان کا علاج ممکن ہی نہیں۔

ومن یك ذا فمٍ مر مریض
یجد مرا بہ الماء الزلا لا

جس کے منہ کا ذائقہ بیماری کی وجہ سے کڑوا ہو اسے میٹھا پانی بھی کڑوا محسوس ہوتا ہے۔

اسرار الٰہی کا ظاہر کرنا

سوال

اس بات کا کیا مطلب ہے کہ ربوبیت کے بھید کو ظاہر کرنا کفر ہے۔ اگر یہ بھید سچا ہے تو پھر کفر کیوں ہے اور اگر جھوٹ ہے تو جھوٹ کو ظاہر کرنے میں کیا حرج ہے؟

جواب

یہ بات "قوت القلوب" میں ابو طالب مکی نے بیان کی ہے اور میں نے اس سے قبل کسی کتاب میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ کسی عارف نے کہا ہے کہ ربوبیت کے بھید کو ظاہر کرنا کفر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ربوبیت کے بھیدوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کو بہت سے آدمی نہیں سمجھ سکتے، اسلیئے سننے والے اسے برداشت نہیں کر سکتے اور جھٹلانے لگتے ہیں۔ اسی چیز کو حضور ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم. گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کی عقل کے مطابق ان سے گفتگو کریں۔ یہ ایک مثال دی گئی ہے کیونکہ تقدیر اور روح کے بھید کو آپ ﷺ بھی جانتے ہیں اور جید عالم بھی۔ لیکن بیان اسلیئے نہیں کرتے کہ لوگ اسے سمجھ نہیں سکیں گے اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ القدر سر الله فلا تعشوه. تقدیر راز الٰہی ہے اسے نہ چھیڑو۔

ایک گروہ کے مطابق یہ مثال تنزیہی ہے اسلیئے کہ اگر یہ راز فاش کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کسی طرف نہیں۔ یعنی جہان سے متصل بھی ہے اور نہیں بھی، جہان میں داخل بھی نہیں اور خارج بھی نہیں، اور شش جہات اس سے خالی ہیں تو بہت سے لوگ اسے برداشت نہیں کریں گے۔ یا پھر کفر میں پڑ جائیں گے کہ اگر ایسا ہی معاملہ ہے تو اللہ موجود ہی نہیں کیونکہ جو چیز جہان کے اندر بھی نہیں اور باہر بھی نہیں وہ معدوم ہے۔ اسلیئے یہ ایک بھید الٰہی ہے اسے کبھی حضورؐ اور صحابہ کرام نے صراحۃً بیان نہیں فرمایا حالانکہ انہیں حقیقت حال کا علم تھا۔ یہ مثال اس گروہ کی ہے جو گذشتہ لوگوں کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اور انہیں کے نزدیک ایک اور مثال بھی ہے کہ ذکر و طاعت یا کفر و نافرمانی پر اللہ تعالیٰ کے خوش یا ناراض ہونے

کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ کیونکہ اسکے نزدیک دونوں حالتیں برابر ہیں وہ نہ خوش ہوتا ہے نہ ناراض۔ تو پھر ہم اپنے آپ کو تکلیف کیوں دیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے نقص لازم آتا ہے اسلیئے کہ غصہ اس شخص کیلئے جائز ہے جو دوسرے کی مرضی کے بغیر کچھ کہہ سکتا ہے۔ اور اللہ کے بغیر کوئی فاعل نہیں تو پھر غصہ کیسا اور اگر غصہ کرے بھی تو کس سے کرے۔ اور خوش وہ ہوتا ہے جس کی کوئی خواہش پوری ہو جب اس کی کوئی خواہش ہی نہیں تو وہ خوش کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسی بات کرنا لوگوں کو اعمال سے دور رکھنا اور کفر میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔ اور اس کی بیشمار مثالیں ہیں۔ اسلیئے ہم تقدیر کے راز کو نہیں سمجھ سکتے اور روح کا مسئلہ بھی عوام کے فہم کے ناقص ہونے کی وجہ سے سمجھنا محال ہے۔ کیونکہ جب حضور سرور کائنات ﷺ کو اس بات کی اجازت نہیں کہ روح کے متعلق قل الروح من امر ربی سے زیادہ کہیں، تو ہمیں کس طرح ہو سکتی ہے۔ لیکن قلب سلیم وہ ہے جو اس بات پر کامل یقین کرے کہ جناب سرور کائنات ﷺ کو حقیقت تو معلوم تھی اس کے بیان کرنے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ جو شخص روح کی حقیقت نہیں جانتا، وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتا یا مشکل سے پہچان سکتا ہے۔

باب دوم

وہ خطوط جو وزرا کی طرف لکھے گئے

یہ تعداد میں بارہ خطوط ہیں جن میں سے پانچ صاحب شہید نظام الدین نظام الملک کے نام، ایک صدر نواز احمد بن نظام الملک کے جواب میں، تین شہاب الاسلام کے نام وزارت سے پہلے اور تین وزیر شہید مجیر الدین کے نام لکھے گئے۔ ان خطوط میں سے ہر ایک حکمت کا خزانہ اور اسرار شریعت کا صدف ہے۔

☆☆☆

پہلا خط

نظام الدین فخر الملک کے نام لکھا گیا خط جس میں عقل و شرع کے حقائق واسرار کا ذکر اور ان سے ڈرانے کی وضاحت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القابات و خطابات میں تکلف

امیر، نظام و حسام اور اس طرح کے مشابہ الفاظ خطاب والقاب میں شمار ہوتے ہیں اور یہ (امیر) صرف اسم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں اور میری امت کے متقی تکلف سے بیزار ہیں۔ امیر کے معنی سے واقف ہونا اور اس کی حقیقت کو سمجھنا بہت مشکل ہے کیونکہ جس کا ظاہر و باطن امیری کے معانی

سے آراستہ ہے وہی امیر ہے اگرچہ اسے امیر نہیں کہتے۔ اور جس میں یہ بات نہیں پائی جاتی وہ امیر نہیں، خواہ سارا جہان اسے امیر کہے۔ امیر کا معنی یہ ہے کہ لشکر پر اس کا حکم جاری ہو۔ سب سے پہلے وہ لشکر جو آدمی کے اندر ہیں اور ان لشکروں کی بہت سے اقسام ہیں۔ ومایعلم جنود ربک الا ھو۔ تیرے پروردگار کے لشکروں کو وہی جانتا ہے۔ ان لشکروں کے سردار تین ہیں۔

ذمائم اخلاق کی مثالی صورتیں

(۱) شہوت : جو برائی اور بدی کی طرف لیجاتی ہے۔

(۲) غصہ : جس سے قتل، مار پیٹ اور جھگڑے وغیرہ برپا ہوتے ہیں۔

(۳) مکاری : جس سے فریب اور دھوکہ جنم لیتے ہیں۔

ان معنوں کو اگر شکل وصورت دی جاتی تو پہلا خنزیر کی صورت کا ہوتا، دوسرا کتے کی صورت کا اور تیسرا شیطان کی صورت کا ہوتا۔ مخلوق کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ نے ان تینوں کو مغلوب کرر کھا ہے۔ اور ان پر حکمرانی کرتے ہیں۔ یہی لوگ امیر اور بادشاہ ہیں۔ یہ لوگ اس جہان کے اندھے اور اسیر ہیں اور جہان کے اندھے امیر اور بادشاہ کو گدا و مسکین کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور قیدی اور عاجز کو امیر وزیر اور بادشاہ کہتے ہیں۔ اہل بصیرت حبشیوں کو کافور اور ہلاکت کو جائے نجات کہتے ہیں اور اس پر تعجب بھی نہیں کرتے۔ انہیں پتہ ہے کہ یہ جہان عالم التباس اور عالم انعکاس ہے اور کیا عجب کہ دونوں کی پیدائش جن میں سے ایک عالم حقائق و معانی ہے اور جسے عالم ملکوت بھی کہتے ہیں اور ایک عالم صورت جسے عالم شہادت بھی کہتے ہیں، ایک ہی ہو جو عالم شہادت ہے۔ وہ ہست نمانیست ہے (دراصل نیست ہے لیکن ہست معلوم ہوتا ہے) اور لاشے کی صورت میں

ہے اور جو عالم حقیقت میں ہے، نیست نما ہست ہے (یعنی ہست ہے لیکن نیست معلوم ہوتا ہے) اور ظاہری آنکھ سے لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے۔ جب موت کے وقت آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور جہان کے پردہ سے حقیقت عیاں ہوتی ہے تو معاملہ برعکس دکھائی دینے لگتا ہے۔ یعنی جو پہلے نیست ہوتا ہے وہ ہست دکھائی دینے لگتا ہے اور جو پہلے ہست دکھائی دیتا ہے نیست معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس وقت بندہ کہتا ہے۔ یاالٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا، ندا آتی ہے۔ فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَائَکَ فبصرکَ الیوم حَدِیْد۔ ہم نے تیرا پردہ اٹھا دیا ہے اور تیری آنکھ آج روشن تر ہے۔ اس وقت وہ عرض کرے گا مجھے معلوم نہ تھا کہ حقیقت یہ ہے اور کہے گا۔ ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ اور اور سن لیا ہمیں واپس لوٹا تاکہ نیک عمل کریں۔ جواباً اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرکُمْ مَا یتذکَرُ فیه من تذکر وَ جاءکم النذیر فذوقوا وماللظالمین من نصیر۔ کیا ہم تمہیں قبل ازیں عمر دے نہیں چکے، اس میں جس نے جو کرنا تھا کر چکا حالانکہ اس وقت تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا۔ پس اب اپنے کیے کا مزہ چکھو اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ کیا قرآن مجید میں تم نے نہیں پڑھا کہ : کَسَرابٍ بقیعةٍ یحسَبُ الظَّمآنُ ماءً حتی اِذا جاء ہ لم یجدہ شیأً وَ وَجَدَ اللہ عندہ فوفاہُ حسابہ۔ وہ سراب کی طرح ہے جسے پیاسا پانی گمان کرتا ہے حتی کہ جب اس کے قریب جاتا ہے تو وہاں کچھ نہیں پاتا اور خدا کو اس وقت موجود پاتا ہے اور اللہ اس کا حساب پورا پورا چکا دیگا۔

جس شخص کی سمجھ میں نہیں آتا کہ نیست نما ہست اور ہست نمانیست کا کیا مطلب ہے تو ہم اس کیلئے مثال سے وضاحت کرتے ہیں۔ فرض کرو ایک

صاف ہوا میں دیکھتے ہی دیکھتے ایک بگولا زمین سے اٹھا اور غبار کی طرح چکر کھانے لگا دیکھنے والے کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ مٹی چکر کھاتی ہے لیکن اصل مسئلہ ایسے نہیں بلکہ مٹی کے ہر ذرے کیساتھ ہوا کا ذرہ ہوتا ہے جو اسے حرکت دیتا ہے۔
اب ہوا تو دکھائی نہیں دیتی پس خاک کا متحرک ہونا "ہست نمانیست" ہے اور ہوا اس موقع پر "نیست نماہست" ہے کیونکہ خاک کی حرکت ہوا کی وجہ سے ہے اور ہوا پھر غالب ہے جس طرح چاہے اسے چکر دے۔ لیکن ہوا کا غالب آنا دکھائی نہیں دیتا۔ اس سے بھی اچھی مثال جسم اور روح کی ہے۔ روح نیست نماہست ہے اور جسم ہست نمانیست ہے۔ لیکن روح کا نیست نماہست ہونا ہر شخص کی سمجھ میں باآسانی نہیں آسکتا۔ حالانکہ روح جسم پر غالب، قادر اور قابض ہے اور جسم بیچارہ اس کا مغلوب، مقہور اور قیدی ہے۔ ظاہر میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے، جسم ہی جسم ہے۔ لیکن جسم اس سے بے خبر ہے۔ اسی طرح سارے عالم کا اللہ سے ناتا ہے یعنی قیوم عالم (اللہ) نیست نماہست ہے کیونکہ جہان میں سے کسی ذرے کا قیام وجودی نہیں بلکہ قیوم کی طرف سے عاریۃً نصیب ہوا ہے اور ہر چیز کا قیوم ضرور اسکے ساتھ ہوتا ہے اور اس کے وجود کی حقیقت بھی وہی ہوتا ہے۔ اور اس چیز کا وجود اس قیوم کی طرف سے مستعار ہوتا ہے۔ وھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَما کُنْتُمْ۔ جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ لیکن جو شخص معیت کو نہیں سمجھ سکتا اسے سمجھ لینا چاہیے کہ معیت تو جسم کی جسم کے ساتھ عرض کی عرض کے ساتھ یا عرض کی جسم کیساتھ ہوتی ہے۔ یہ تینوں معیتیں قیوم میں محال ہیں۔ قیومیت کی معیت کسی جسم کو حاصل نہیں بلکہ اس کی حقیقت سے معیت حاصل ہوتی ہے اور یہ نیست نماہست ہے۔ جو لوگ اس معیت کو نہیں جانتے وہ قیوم کو ڈھونڈتے ہیں لیکن نہیں ملتا اور جنہوں نے یہ چیز پہچان لی ہے وہ اپنے آپ کو ڈھونڈتے ہیں لیکن

نہیں پاتے بلکہ ہر جگہ حق کو ہی دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ لیس فی الوجود الا القیوم۔ سوائے قیوم کے کسی اور کا وجود نہیں۔ ایسے شخص میں جو اپنے آپ کو ڈھونڈتا ہے اور نہیں پاتا اور اس شخص میں جو قیوم کو ڈھونڈتا ہے اور نہیں پاتا، بڑا فرق ہے۔ یہ بات گمان و بیان سے باہر ہے لیکن بے ساختہ قلم سے نکل گئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں ابنائے جنس کی نسبت عقل زیادہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ کم عقلی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے کیونکہ اکثر لوگ نقص عقل کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔ واکثر اھل الجنة البله واکثر اھل العلیین ذوالالباب.
جنتیوں کا اکثر حصہ کم عقلوں پر مشتمل ہے اور اکثر اہل علیین عقلمند ہیں۔

لوگوں کے تین گروہ ہیں۔

(۱) عوام: یہ تقلید پر قناعت کیے بیٹھے ہیں اور اپنی راہ کے کسی کام میں تصرف نہیں کرتے اور نہ ہی کرنا جانتے ہیں بلکہ دوسروں سے سیکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ بلند مرتبہ نہیں لیکن اہل نجات میں سے ہیں۔

(۲) عقلمند: یہ اہل علیین ہیں، ہر زمانہ میں ان میں سے ایک ہوتا ہے یا دو۔ اس سے زیادہ نہیں ہوتے۔

(۳) اہل تصرف: یہ عقلی ڈھکوسلوں سے کام لیتے ہیں اور یہی لوگ تباہ ہوتے ہیں۔ کامل طبیب سے شفا کی امید ہوتی ہے کیونکہ اس کا پیرو باقی چیزوں میں تصرف نہیں کرتا لیکن نیم حکیم مریضوں کے خون کا پیاسا ہوتا ہے۔ جو شخص ناقص عقل سے تصرف کرتا ہے، وہ نیم طبیب کی طرح ہے۔ ایسے لوگوں کا سرغنہ شیطان ہے کیونکہ یک رنگی عقل سے کہنے لگا۔ انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین. میں آدم سے اچھا ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔

خواجہ حسن بصریؒ سے پوچھا گیا کہ کیا شیطان فقیہہ اور عقلمند ہے۔ فرمایا "ہے" اگر نہ ہوتا تو عقلمند اور اور فقیہہ گمراہ نہ ہوتے۔ اولوالالباب کی یہ پہچان ہے کہ شیطان کی ان تک رسائی ہی نہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان. میرے بعض بندے ایسے بھی ہیں جن پر تو کسی طرح غالب نہیں آسکتا۔ جو شخص سستی اور حرص وہوا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف چلے وہ شیطان کا شاگرد اور نائب ہے۔ فاتخذ تموہ عدوا انما یدعو حزبہٗ لیکونوا من اصحاب السعیر. اسے اپنا دشمن سمجھو، وہ تمہیں اپنے گروہ میں شامل کر کے دوزخی بنانا چاہتا ہے۔ اگر آخرت کی سعادت چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاؤ۔ نہ پوچھو، ڈھونڈو اور نہ ہی تصرف کرو البتہ اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے میں یہ کرنا احسن ہے۔ اگر تمہارا دل بیقرار ہے اور تم حقائق امور سے آگاہی چاہتے ہو تو کیمیائے سعادت کا مطالعہ کرو۔ اور ایسے شخص کی ہم نشینی اختیار کرو جو شیطان کے ہاتھوں سے بچا ہوا ہو تا کہ تمہیں بھی بچا سکے۔ والسلام

☆☆☆

"دوسرا خط"

یہ خط فخر الملک کی طرف تحریر کیا گیا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ عہدۂ قضا کی کیا اہمیت ہے اسکے علاوہ جو شخص اس عہدہ کا اہل ہے اس کی نشاندہی کر کے اسے مقرر کرنے کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ کی مجلس عالی توفیق آراستہ رہے تا کہ آپ دنیاوی امور میں اپنے حصہ کے بقدر کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَاتَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ

الدُّنْیا۔ دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔ دنیا میں ہر شخص کا نصیب وہی چیز ہے جو آخرت کیلئے توشہ ہو سکے۔ کیونکہ تمام مخلوق مسافر ہے اور سبھی کو بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا ہے۔ دنیا اس سفر میں پڑاؤ ہے۔ توشہ کے بغیر مسافر کی مثال ایسے ہی ہے کہ حجاج بغداد میں جا کر کھیل تماشا میں مشغول ہو جائیں اور ایک شخص بغیر اونٹ اور توشہ کے جنگل میں اس خیال سے سفر شروع کر دے کہ میں تو کعبہ رخ جا رہا ہوں۔ لیکن اس کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ وہ تو اپنی ہلاکت کو آواز دے رہا ہے۔ آخرت کا سامان تقویٰ ہے اور تقویٰ کی بنیاد دو چیزیں ہیں۔ التعظیم لا مر اللہ و الشفقة علی خلق اللہ. اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرنا اور خلق خدا پر شفقت کا ہاتھ رکھنا۔ بادشاہ کسی نالائق کو حکومت کا کام یا کوتوالی دیتا ہے تو اس میں اتنا نقصان نہیں جتنا کہ ایک نالائق کو قاضی بنا دینے میں ہے۔ کیونکہ حکومت و ریاست کا تعلق دنیا سے ہے اور دنیا دار کو دنیا مناسب ہے لیکن مسند قضا مقام نبوت ہے اسلیئے اس منصب کا حقدار وہی ہے جس کے دل میں آنحضرت ﷺ کی قدر و منزلت ہے اور آخرت میں حضور ﷺ کے سامنے اسے شرمسار نہ ہونا پڑے ورنہ وہ التعظیم لامر اللہ کھو دیگا۔ کیونکہ اس کی تعظیم مسند نبوت کی تعظیم میں ہے اور اسکے ساتھ ساتھ وہ والشفقة علی خلق اللہ سے بھی جاتا رہے گا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے لوگوں کا مال واسباب عزت اور جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ تو ایسا شخص سوچ سکتا ہے کہ میں نے آخرت کیلئے کچھ جمع کیا ہے۔ عہدۂ قضا کے اہم ترین امور میں سے ایک کام یتیموں کے مال کے متعلق ہے۔ اگر صاحب تقویٰ نہیں تو یتیموں کا مال بطور جاگیر تقسیم کر دے گا۔ اس بارے فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا. جو لوگ یتیموں کا مال بطور ظلم کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں

آگ ٹھونستے ہیں اور عنقریب دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

جس شخص کو اس جھڑکی سے ڈر نہیں لگتا وہ دوسرے کاموں سے کب ڈرتا ہے۔ یہ جھڑک قرآن مجید کی طرف سے صرف اس کیلئے مخصوص نہیں بلکہ اس میں اور لوگ بھی شریک ہیں۔ وہ وزیر جو اس شخص کی عزت کرتا ہے، وہ مسلمان جو اسے اس کام سے روک سکتے ہیں لیکن نہیں روکتے، اس معاملہ میں شریک ہیں۔ اسی لیے اگر عہدۂ قضا کسی دیندار کے سپرد کر دیا جائے تو مسلمانوں کا جان و مال اور عزتیں محفوظ رہ سکتی ہیں۔ آج کل فلاں شخص نیک نامی اور دیانتداری میں بے مثال ہے اس کی ان امور میں قابلیت آپ پر پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ آجکل جرجان کا گردونواح اس سے زندہ ہے۔ ویسے آپ کی رائے زیادہ بہتر ہے اور نیکی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ والسلام

☆☆☆

تیسرا خط

یہ صاحب شہید فخر الملک کی طرف لکھا گیا ہے۔ اس میں خلاف شریعت امور کرنے پر شدید جھڑک، عدل و انصاف کی طرف تحریص، اہل طوس سے نرمی برتنے اور اپنے باپ نظام الملک کی پیروی کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس خط کے شروع میں لکھا ہے کہ یہ کڑوا لیکن مفید شربت ہے۔ اس پر تنہائی میں غور و فکر کرنا اور دین کے کانوں سے سننا۔ کیونکہ کڑوا لیکن مفید شربت حقیقی دوست بھیجا کرتے ہیں اور میٹھا لیکن مضر شربت ایسے دشمن جو بظاہر دوست معلوم ہوتے ہیں بھیجتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ انا واتقیاء امتی براء من التکلف، میں اور میری امت کے متقی تکلف سے بیزار ہیں۔ القاب سے کسی کو پکارنا بھی تکلف کے زمرے میں داخل ہے۔ جو بات دیانتداری سے کی جائے وہ تکلف سے پاک ہونی چاہیے اور کمال منصب کو ویسے ہی القاب کی ضرورت نہیں۔ جب خوبصورتی بدرجہ کمال ہو تو مشاطہ (کنگھی) عورت کیلئے اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر کوئی شخص "خواجہ امام شافعیؒ" یا "خواجہ امام ابو حنیفہؒ" کہتے تو یہ بھی ایک قسم کا تکلف اور عیب ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا گویا ایک کام کو جو بدرجہ کمال تک پہنچ گیا ہے تکلفات میں ڈالنا ہے۔ اور کمال پر زیادتی کرنا بھی کمی ہے۔ آپ کا کام بھی دنیاوی خواجگی میں اس درجہ کمال کو پہنچ گیا ہے کہ آپ سے بغیر خطابات کے گفتگو کرنا آپ کے مرتبہ کو کم نہیں کرتا۔

اب رہی دینی امور میں خواجگی تو اس میں اصولاً آپ کو اعلیٰ درجہ پر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ زمانہ ایسا ہے جس میں دینی امور میں سستی کی جا رہی ہے اور آخری زمانہ ہے اور دینی امور بھی آخر تک جا پہنچے ہیں، اور یہ آیت بالکل صادق آ رہی ہے کہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔ انسانوں کیلئے (زمانہ) حساب قریب آگیا ہے اور وہ غفلت میں پڑ کر روگردانی کر رہے ہیں۔

اس کمزور زمانہ میں ہر ایک کو اپنے حصن حصین کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض نے گروہ بازی، لشکر اور تیر و تلوار کو اپنا حصن حصین بنا رکھا ہے بعض نے مال و دولت جمع کر رکھا ہے اور بلند مکانات اور لوہے کے دروازے لگا کر اپنے لیے مضبوط قلعہ بنا رکھا ہے اور بعض نے درویشوں اور مسلمانوں کی دعاؤں کو مضبوط قلعہ مان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے گروہ کی غلطی کی نشاندہی فرمادی ہے تاکہ

انہیں معلوم ہو جائے کہ لشکر اور افرادی قوت آسمانی بلاؤں کو نہیں ٹال سکتے۔ جیسا کہ طوس کے امراء کی حالت سے ظاہر ہے اور دوسرے گروہ کی غلطی کی دلیل بھی مذکورہ آیت ہے تاکہ انہیں بھی معلوم ہو کہ بلند دیواریں، آہنی دروازے اور مال و دولت کے انبار آسمانی آفات کو نہیں روک سکتے بلکہ یہی ان کا سبب بنتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت قرآنی سے ظاہر ہے۔ **جَمَعَ مالاً وَعَدَّدَهٗ یَحْسَبُ اَنَّ مالَهٗ اَخْلَدَهٗ** (الخ) اور **وما اغنی عنی مالیه هلك عنی سلطانیه و مایغنی عنه ماله اذا تردی**۔ اس نے مال جمع کیا اور اسے شمار کرتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال سدا اسکے پاس رہے گا۔ اور اس کا مال اسے مجھ سے مستغنیٰ نہیں کر سکتا ہے اس کا غلبہ میرے روبرو جاتا رہا اور اب تکلیف سے اس کو مال نہیں بچا سکتا جب کہ اسے لوٹایا جائے گا۔

حمید خراسانی کی حالت سے عاقل اندازہ لگا سکتا ہے کہ جو کی روٹی اور شوربے کا پیالہ جو کسی درویش کو دیا جاتا ہے، اسقدر کام کرتا ہے جو ایک لاکھ دینار اور لاکھ سواروں سے بھی نہیں ہو سکتا۔ اس سے بگڑے ہوئے کام درست ہو جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سہام اللیل (رات کے تیروں) کا لشکر ہونا چاہیے نہ کہ سہام الخیل (گھوڑوں کے تیروں) کا۔ اس معجزہ سے حضور ﷺ کا فرمان سچا ثابت ہوتا ہے کہ فرمایا۔ الدعاء یرد البلاء۔ دعا بلا کو ٹال دیتی ہے۔ نیز فرمایا۔ **الدعاء و البلاء یتعالجان**۔ دعا اور بلا آپس میں جھگڑتی ہیں۔

نجیب الطرفین وہی ہے جو اپنی دولت کی گدی اپنے نوکر کے سپرد کر دے۔ آپ کے والد ماجد (اللہ آپ کو ان کی پیروی کی توفیق عنایت کرے) جب یہ سنتے کہ کرمان والے خیرات کرتے ہیں تو ان کے اعضاء کانپنے لگتے اور یہ اسلیئے نہیں تھا کہ وہ اسے ہوا سمجھتے تھے بلکہ ان کا فرمان تھا کہ مشرق و مغرب میں کوئی

شخص مجھ سے خیرات میں سبقت نہ لیجائے۔ (جنہیں ان کاموں کا شوق ہوتا ہے وہی ایسا کرتے ہیں) دینی امور کے سوا باقی کاموں میں حسد کرنا حرام ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ **لاحسد الافی اثنین رجل اتاه الله مالاً فهو ینفقه فی سبیل الله ورجل اتاه الله علما فهویعمل ویدعوالخلق الیه**. دو اشخاص کے معاملہ میں حسد جائز ہے ایک وہ جسے اللہ نے مال عطا کیا ہے اور وہ اسے راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ نے علم سے نوازا ہے اور وہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

یہ شہر ظلم و ستم کی وجہ سے ویران ہو گیا تھا۔ انتظامی معاملات میں جب تک آپ نے سستی نہیں کی تھی سب آپ سے ڈرتے تھے۔ دہقان ڈر کے مارے غلہ فروخت کرتے تھے۔ اب ظالموں کے ڈر سے دہقانوں اور نانبائیوں نے غلہ کی دکانیں بند کر دی ہیں۔ ظالم دلیر ہو گئے ہیں۔ چوری چکاری عام ہے۔ رات کو کئی دکانوں میں نقب لگائی جاتی ہے اور اس میں زاہد اور پرہیزگار لوگوں کو پھنسایا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کو اطلاع دے کہ شہر میں امن و امان ہے تو سمجھ لیجئے کہ جھوٹ بولتا ہے۔ اور آپ کے دین کا دشمن ہے۔ رعایا کی خبر لو۔ نہیں نہیں اپنے کام کو سنبھالو اور اپنی حالت پر رحم کرو، خلق خدا کی طرف سے غفلت نہ ہو تو اور درویشوں کی "یارب" سے ڈرو جو وہ دن رات کرتے ہیں۔ اگر یہ بگڑا ہوا کام آپ کی محنت سے سنور گیا تو بہتر ہے ورنہ اس گناہ پر ماتم کرنا۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے **خلقت الخیر و خلقت له یدا فطوبی لمن خلقته للخیر و نشرت الخیر علی یدیه ویل لمن خلقته للشر و نشرت الشرعلی یدیه**. میں نے نیکی پیدا کی اور ساتھ ہی اس کے لیے ایک ہاتھ پیدا کیا، وہ خوش نصیب ہے جسے نیکی کیلیئے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں نیکی پھیلائی اور ہلاکت ہے اس کے لیے جسے شر کیلیئے تخلیق کیا اور اس کے ہاتھوں اس کی تشہیر کی۔

اس قسم کی مصیبت کا علاج آنکھوں کا پانی (گریہ) ہے نہ کہ انگور کا پانی (شراب) بدر نظامی کے تمام دوست احباب اس آفت سے بے خبر عیش و عشرت میں مصروف ہیں۔ طوس کے لوگوں کی دعا نیکی وبدی میں محبوب ہے۔ عمید کو میں نے یہ نصیحت بارہا کی لیکن اس نے ایک نہ مانی آخر کار اس کی حالت وہی ہوئی جو ہر ایک کیلئے باعث عبرت ہے۔

وما ظالم الا ویبلی بظالم

ثم ینتقم الله منهما جمعا

ہر ظالم کی ظالم کے ذریعے آزمائش کی جاتی ہے

پھر اللہ دونوں سے اکٹھا انتقام لیتا ہے

اچھی طرح سمجھنا چاہیے کہ مال و دولت سے انسان کی آزمائش کی جاتی ہے۔ جو شخص اپنے دل کو مال و دولت کی دھن میں جلاتا ہے، ضرور اسکے فراق میں جلتا ہے۔ لیکن اسکے بھی تین درجے ہیں۔

(۱) نیکو کاروں کا درجہ

یہ کہ اپنی مرضی سے مال و دولت چھوڑ دے، مظلوموں کی مدد کرے اور صدقہ دے۔ یہ توبہ اور ترک اگرچہ اپنے اختیار سے ہے مگر دل کو جلاتی ہے۔ لیکن حقیقتاً اس سے کام سنورتا ہے "منهم سابق بالخيرات" ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔

(۲) میانہ رووں کا درجہ

دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص مقرر کیا جائے جو اس سے جبراً مال و دولت لے لے۔ یہ عذاب اور سختی کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن یہ بھی کفارہ اور طہارت ہوتی ہے ایسے لوگ "منهم مقتصد" میں شامل ہیں۔

(۳) بدبختوں کا درجہ

تیسرا درجہ بدبختوں کا ہے کہ دنیا میں اس مال و دولت اور حکومت نہ جبراً لیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ اپنی خوشی اور اختیار سے چھوڑتا ہے اور آخر کار ملک الموت سے اسے واسطہ پڑتا ہے۔ اللہ کی پناہ! یہ سب سے سخت مقام ہے "ولعذاب الآخرة اكبر لو كانوا يعلمون" اگر وہ جانتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آخر کا عذاب زیادہ بڑا ہے۔ ایسے لوگ "ظالم لنفسه" کے زمرے میں شامل ہیں۔

جو شخص اپنے عذاب کو دنیا میں ٹال دیتا ہے وہ نیک بخت ہے۔ اس بات کی کوشش کریں کہ سابق بالخیرات میں شامل ہوں۔ کیونکہ باقی کے دونوں درجے بدبختی کے ہیں اور ان تینوں میں سے ایک حالت ضرور برقرار رہتی ہے۔ یہ تلخ لیکن مفید باتیں اس شخص سے سنو جس نے بادشاہوں سے اپنی طمع اور لالچ منقطع کر لی ہے تبھی ایسی باتیں کرتا ہے کسی اور کے منہ سے تم ایسی باتیں نہیں سن سکو گے۔

یاد رکھو کہ ان باتوں کے برعکس اگر کوئی تمہیں سکھلائے تو اس کے اور کلمہ حق کے درمیان اس کی لالچ کا پردہ حائل ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ اور اپنے شہید باپ کے حق کی قسم کہ آج رات ہی جبکہ لوگ سو رہے ہوں، اٹھ کر پاک لباس پہنو اور وضو کر کے تنہائی میں پاکیزہ مکان میں دو رکعت نماز ادا کرو اور سر بسجود ہو جاؤ۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی کیساتھ دعا مانگو تاکہ تمہارے لیے سعادت کی راہیں کھل جائیں۔ سجدہ کی حالت میں یہ دعا مانگو "یا ملکا لایزول ملکه ارحم ملکا قارب الزوال ملکه، وایقظه من غفلته و فقه لا صلاح رعیته" اسکے بعد رعایا کے بارے سوچو کہ قحط و ظلم میں کیوں مبتلا ہیں۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مصلحت کی راہ کیسے سجھائی دیتی ہے اور اللہ کی مدد کیسے شامل حال ہوتی ہے۔ والسلام

چوتھا خط

یہ خط فخر الملک کی طرف امام شہید ابراہیم مبارک کے حق میں لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلس نظامی آخروی سعادتوں سے منور ہو اور اس عزیز کا دل انوار الٰہی کے جلووں سے روشن رہے جن کے سبب سینے کشادہ رہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ فمن یرد اللہ ان یھدیه یشرح صدره للاسلام افمن شرح اللہ صدره للاسلام فھو علی نور من ربه۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت فرمانا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا ہے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور کے ہالے میں ہے۔

اس نور کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ جب انسان دنیا کی طرف دیکھتا ہے تو لوگوں کو اس کا ظاہر بہت اچھا دکھائی دیتا ہے لیکن وہ اپنے باطن کو آلودہ خیال کرتا ہے۔ جب زندگی کے متعلق غور کرتا ہے تو لوگ تو اسے ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں لیکن اس کے دل میں آخرت کا خوف طاری ہوتا ہے۔ جب موت کی طرف نظر کرتا ہے تو مخلوق اسے وعدہ اور ادھار خیال کرتے ہیں لیکن یہ اسے نقد وقت سمجھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب موت آئی۔ اور حقیقتاً موت جوتی کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ جب وہ اپنے اقربا کی طرف دیکھتا ہے تو وہ سب اس

سے طرح طرح کی امیدیں باندھتے ہیں لیکن اس کا خیال گریہ و خوف کی طرح ہوتا ہے کیونکہ قیامت کے خوف سے اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ افرایت ان متعناھم سنین ثم جائھم ماکانوا یوعدون ما اغنی عنھم ماکانوا یمتعون. کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے انہیں چند سال فائدہ پہنچایا پھر انہیں وہی معاملہ درپیش ہو گیا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن جس سے وہ فائدہ اٹھاتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا۔ اگر وزیر اعظم کو یہ نور اور روشنی عنایت ہو تو اس کی علامت یہ ہے کہ اپنے دل کو تختی بنائے اور اس پر اپنی وزارت کے جو جو کام کئے ہیں، لکھ لے اور پھر نظام الملک اتاج الملک اور فخر الملک ان کا مطالعہ کرے۔ اَوَلَمْ یرَوْا کَمْ اھلکْنَا قبْلَھم من الْقُرون یمشونَ فی مساکنھم (الخ) کیا ان لوگوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کیا جو اپنے مسکنوں میں چلتے پھرتے تھے۔ الم نھلك الاولین ثم نتبعھم الآخرین۔ کیا ہم پہلوں کو ہلاک کر کے دوسروں کو ان کے پیچھے نہیں بھیجتے۔

جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ اے لوگو! تم خیال کرتے ہو کہ موت تمہارے لیے نہیں بلکہ اوروں کے لیے ہے اور اسکے حقوق بھی دوسروں پر واجب ہیں حالانکہ جنہیں ہم عدم سے وجود میں لاتے ہیں وہ بھی تھوڑے عرصے بعد ہماری طرف لوٹ آتے ہیں ایسے لوگوں کے جسموں کو ہم قبروں کا ٹھکانا دیتے ہیں اور ان کے ورثاء ان کے مال کو ایسے کھاتے ہیں گویا ان کے بعد ہمیشہ رہیں گے پس ہم ہر وعظ کو بھول گئے ہیں۔

ہر وزیر اس کے امور کے انجام سے غافل تھا سب نے اس کے کام کی علتوں کو دیکھ رکھا ہے لیکن اتنا بھی نہیں جانا کہ جو عمل کمزور ہو وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل

العنکبوت اتخذت بیتا (الخ) ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو دوست بناتے ہیں مکڑے کے گھر کی طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ وزیر اعظم کو نورانیت عطا فرمائے تاکہ وہ کاموں کی حقیقت اور بھید سے واقف ہو جائے اس نور کا منبع اور مبدأ دو خصلتیں ہیں۔ عدالت اور عدل۔

عدالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں آپ کی وہ حالت ہو جو اللہ کی مرضی کے مطابق اسکے بندے کی ہوتی ہے۔ عدل یہ ہے کہ خلق خدا کیساتھ ایسا سلوک کریں کہ اگر آپ ان کی جگہ ہوں اور وہ آپ کی جگہ تو آپ انہیں پسند کریں۔

ان دو باتوں کو اپنا قبلہ بنائیں اور جو کام در پیش ہو اس میں خالق و مخلوق کے ساتھ انہیں اصولوں پر عمل کریں۔ عادل بادشاہ جو ان دو اصولوں کو اپنائے، کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ملکوں کی تباہی اس کی مبارک نظروں سے پوشیدہ رکھی جائے۔ کیونکہ اس سستی کا روز قیامت اسے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اگرچہ میں نے میل جول اور خط و کتابت کا سلسلہ تقریباً بند کر دیا ہے لیکن پھر بھی یہ باتیں ضرور تاً لکھ کر بطور مبارکباد بھیج رہا ہوں۔ اس میں اہل دین کیلئے آسائش اور دوسری باتوں کی تنبیہہ کی گئی ہے۔ مبارکباد تحفہ سے خالی نہیں ہوتی سو علماء کا تحفہ لوگوں کی ہدایت کی دعا ہوتی ہے۔ شہر گرگاں کافی عرصہ سے کسی قابل اقتداء با عمل عالم کے وجود سے خالی رہا، اب جبکہ مسلمانوں کے خیر خواہ ابراہیم مبارک اپنے وطن مالوف لوٹ آئے ہیں، گرد و نواح کا علاقہ ان کی پرہیزگاری اور علم سے زندہ ہو گیا ہے اور آپ کی تعلیم و وعظ کے فوائد دور دور تک پہنچ رہے ہیں اور ساتھ ہی اہل سنت و جماعت کو ایک تازگی نصیب ہوئی ہے۔ یہ حضرت تقریباً بیس سال تک میرے پاس رہے ہیں۔ طوس، نیشاپور، بغداد، حجاز اور شام کے علاقوں کے ہزاروں علماء میرے شاگرد رہے ہیں لیکن علم، صدق، پرہیزگاری اور عبادت کا جو

نور میں نے ابراہیم مبارک میں دیکھا ہے، وہ کم ہی کسی میں دیکھا ہے۔ جس شہر میں اس قسم کے عالم ہوں وہ ضرور آباد ہوتا ہے۔ ان کی ترقی دیکھ کر بہت سے لوگ ان سے حسد کرنے لگے ہیں اور ممکن ہے کہ مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے آپ سے عرض کریں کہ کسی طرح ان کے کام میں سستی و کمزوری آجائے۔ وزیر اعظم کا دینی فریضہ ہے کہ انہیں اپنی حمایت و عنایت کے دامن میں لیکر ان کی دعا کو قیامت کا ذخیرہ بنائیں اور ان کی ضروریات پوری کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کے کام کے انجام و آغاز کو دینی و دنیوی سعادتوں سے آراستہ اور زمانے کی آفتوں اور مصیبتوں کو آپ کی مجلس سے دور رکھے۔ والسلام۔

☆☆☆

پانچواں خط

یہ خط فخر الملک کی طرف لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ ان لِلّٰہ عبادا اختصھم بنعم لمنا فع العباد فادوھا فھم وکلاء الرحمن طوبی لھم و حسن ماب۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں اس نے بندوں کے منافع کیلئے نعمتوں سے مختص کیا ہے اور وہ اسے ادا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ رحمٰن کے وکیل ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے خوشخبری اور اعلیٰ ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بدبختوں کو جو نعمتیں عطا کرتا ہے وہ اس کی تدبیر اور استدراج ہے جیسا کہ خود فرمایا۔ سنستدرجھم

من حيث لايعلمون و املي لهم ان كيدي متين. ہم عنقریب ان کے درجوں کو اس طرح کم کریں گے کہ انہیں خبر ہی نہیں ہو گی اور انہیں مہلت دونگا بیشک میری تدبیر مضبوط ہے۔ کوئی اہل نعمت ان حالتوں سے باہر نہیں۔ انا هديناه السبيل اما شاكرا واما كفورا۔ بیشک ہم نے اسے ہدایت بخشی تو یا پھر وہ شکر گزار بنایا نا شکرا۔ نعمتوں کا شکر اور دنیاو آخرت کی تائید و مدد کی علامت یہ ہے کہ انسان عدل کرے، حق پر قائم رہے، ظلم ختم کرے، رعایا پر شفقت کرے۔ اور انہیں مال و اسباب سے نوازے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا۔ انا جعلناك خليفة في الارض (الخ) اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ جو شخص دنیاوی نعمتوں کے عوض بدبختی خریدتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ بلندی نصرت، دولت اور نعمت میں اضافہ کے ساتھ لوگوں سے بے رحمی اور ظلم کیساتھ پیش آتا ہے۔

قرآن مجید میں فرمان باری تعالیٰ ہے کہ الم نهلك الاولين ثم نتبعهم الآخرين كذالك نفعل بالمجرمين. کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا پھر ان کے بعد دوسرے لوگ لے آئے۔ اسی طرح ہم مجرموں کیساتھ کرتے ہیں۔ اس شخص کے سینے میں غفلت اور کفران نعمت کی بیماریاں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ اپنے دل میں کہنے لگتا ہے۔ وما اظن ان تبيد هذه ابدا میرا تو یہ خیال ہے کہ یہ کبھی بھی تباہ نہ ہو گی۔

نیک بختی کی علامت

جو شخص دنیاوی نعمتوں کے عوض نیک بختی خریدتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اسے خلق خدا کیساتھ احسان کرنے کی توفیق دی جاتی ہے اور اسے کمال

عقل اور دین میں مضبوطی اس طور عطا کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں بری عادتیں، طمع، جھوٹ، رشوت، ظلم اور حوادث ہوں، شفقت و رحمت سے انہیں دنیا سے ختم کر دیتا ہے اور بدعت کی لعنت کو دین و دنیا کے ارد گرد سے دور کرتا ہے۔ جس قدر اس کے مراتب بلند ہوتے ہیں اسی قدر خلق خدا پر مشفق اور رحیم ہوتا ہے۔ پھر یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ دنیاوی عزتیں اخروی عزتوں کی رفیق بن جاتی ہیں اور یہ ان سے سرفراز ہوتا ہے۔ اور یہی لامحدود عنایات آپ کی نیک اور اعلیٰ مجلس کو بھی حاصل ہیں (اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ بلند رکھے) والسلام

☆☆☆

وزراء کے خطوط

وزیر اعظم احمد بن نظام الملک نے وزیر خراسان صدر الدین محمد بن فخر الملک کے نام ایک خط لکھا اور اس میں اسے حکم دیا کہ اپنی طرف سے بھی ایک خط حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی طرف لکھ اور انہیں عزت و احترام کیساتھ عرض کرو کہ وہ بغداد کے مدرسہ میں تدریس کا کام سنبھال لیں اور اس دینی معاملہ میں جلدی کریں کیونکہ ایسا کرنا تقدیس رسالت کے موافق ہے۔ وزیر اعظم نے اس بات کیلئے خوب ترغیب و تحریص سے کام لیا۔ جب یہ خط آپ تک پہنچا جس میں تحریر تھا کہ عراق اور بغداد کے ائمہ اور لشکر عراق آپ کا منتظر ہے تو آپ نے فرمایا کہ اب میرے سفر فراق کا وقت ہے نا کہ سفر عراق کا۔ پھر اس خط کا جواب لکھا جس میں اس عہدہ کو قبول کرنے سے معذرت کی اور ساتھ ہی وعظ و نصیحت کرتے ہوئے خوف الٰہی یاد دلایا۔ یہ خطوط درج ذیل ہیں۔

وزیر عراق کا خط وزیر خراسان کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواجہ اجل، صدر الدین، نظام الاسلام، ظہر الدولت، نصیر الملت و بہاء الامت، قوام الملک، شمس الوزرا، آپ عزت ونعمت سعادت ورفعت اور اللہ کی رضا کے زیر سایہ دیر تک زندہ رہیں۔

آپ کی رائے عالیہ پر روشن ہے کہ اعلیٰ توفیق، آثار اسلاف کا تازہ رکھنا، ان کی نیکیوں کی نشانیوں کو زندہ رکھنا، ان کے اعمال حسنہ کی پیروی کرنا اور دین کی باتوں پر عمل کرنا ہے۔ ایسی باتیں تمام مسلمانوں میں ہونی چاہیں خصوصا یہ عزت افزائی جس کا نتیجہ دین کی بنیادوں کو مضبوط کرنا، ارکان اسلام کو لازم پکڑنا اور علوم شریعت حاصل کرنا ہے۔ اور جس سے دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات نصیب ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں۔ آپ پر عیاں ہے کہ مدرسہ نظامیہ (اللہ تعالیٰ اسے ترقی عطا کرے) کا بغداد میں ہونا بزرگی اور شرافت کا باعث ہے کیونکہ نظام الملک شہید قدس اللہ سرہ نے اس کی بنیاد رکھی ہے۔ اور دارالحکومت میں اسکے وجود اور اس مقدس جگہ کے قرب نے اسے علم دین کی کان، فضیلت کا سرچشمہ، تدریس کا مقام، ائمہ وعلماء کی جائے پناہ اور طلباء کا مقصود بنادیا ہے اگرچہ نظام الملک شہید (اللہ تعالیٰ آپ کی خوابگاہ کو ٹھنڈا رکھے) کی نشانیاں جہان میں پھیلی ہوئی ہیں لیکن مدرسہ نظامیہ سے بڑھ کر کوئی نہیں کیونکہ اسکے ساتھ ہی مقدس نبوی (اللہ تعالیٰ اسکے جلال کو زیادہ کرے) کی سرائے عزیز ہے اور جب تک دنیا باقی ہے یہ نیکی باقی

ہے اسلیئے ہم پر اور تمام اہل بیت پر لازم ہے کہ اس جائے شرف ومنزلت کو قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اور اسکے انتظام وانصرام مین بھرپور حصہ لیں اور صدرالدین کیلیئے ضروری ہے کہ اسکی امداد کریں اور اسکی ضروریات کو پورا کریں کیونکہ یہ ان کے خاندان کی روشن نشانی ہے اور اس کیساتھ ان کا خصوصی تعلق بھی ہے اس کے علاوہ یہ ایک مبارک اور قوی شاخ ہے اور اس کے ذریعے خیرات کرنے اور سلف صالح پر عنایات کرنے کی صورت بھی میسر ہے۔ اور ضروریات میں اہم ترین ضرورت عالم وفاضل مدرس کی موجودگی ہے کیونکہ یہ اصل ہے اور باقی اسکی شاخیں (ضمنی باتیں)۔ مدرس سے ہی علم کی تروتازگی اور درس وتدریس کی گرم بازاری ہوتی ہے اگر مدرسہ مدرس سے خالی ہو تو فوائد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے خواہ اسباب وآلات ضروریہ سے بھرا پڑا ہو۔ اب تک تو امام کیا ہراسی اور طبریؒ کی ذات سے یہ مدرسہ پررونق تھا اور درس وتدریس کے امور جاری تھے۔ چنانچہ بہت سے طلباء آپ سے استفادہ کر کے فقیہہ ومناظر بنے اور بازار علم گرم رہا۔ لیکن آپ کے اچانک انتقال فرما جانے سے مدرسہ کے حالات میں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ نظم وضبط متاثر ہے اور افادہ واستفادہ کی صورت پہلے سی نہیں رہی۔ اب عراق میں کوئی ایسا شخص نہیں جو امام مذکور کا جانشین ہو اسلیئے ہمارے دل میں یہی خیال رہتا ہے کہ کسی طور اس نقصان کا تدارک کیا جائے۔ مقدس عزیز (اللہ تعالیٰ اسکے انوار ظاہر کرے) کی سرائے عزیز سے وسیلہ تلاش کیا گیا اور مسئلہ کے حل کیلیئے مبالغہ سے کام لیا گیا تو یہ حکم ہوا کہ جب تک صدرالدین اس کام پر خواجہ امام اجل زین الدین **حجة الاسلام فریدالزمان ابوحامد محمدبن محمد بن محمد الغزالی** (اللہ تعالیٰ آپ کے وقار کو قائم رکھے) کو مامور نہیں فرمائیں گے، یہ کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچے گا کیونکہ

اس وقت ان کی ذات گرامی بے نظیر، مقتدائے وقت اور امام اعظم کی سی ہے اور زمانے بھر سے زیادہ لائق و فائق ہیں۔ اور تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ حجۃ الاسلام کے جو اوصاف مشہور ہیں واقعی ان میں پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں مقدس نبوی امامی کی رائے سے یہ منصب آپ کو سونپا گیا ہے اور ساتھ ہی دلی خواہش ہے کہ اس کار خیر کو سرانجام دینے میں کسی قسم کا انکار یا عذر نہ کریں۔

آپ سے توقع کی جاتی ہے کہ تمام امور سے اس کام کو مقدم سمجھتے ہوئے فی الفور حجۃ الاسلام کو بلا کر ان پر مذکورہ بالا امور واضح کر دیں تاکہ وہ بلا توقف اس طرف آنے کی تیاری کریں۔ کیونکہ یہ مبارک مقام ابھی تک بیکار پڑا ہے اور طلباء ان سے استفادہ کے سخت منتظر ہیں، فقیہہ اور اصحاب مدرسہ ان کے علاوہ کسی اور کی پیروی پر راضی نہیں اور نبوی فرمان مبارک میں بھی جس کو بجالانا انتہائی ضروری ہے اسلیئے اب دیر کرنے کا موقع نہیں اور اگر بالفرض حجۃ الاسلام کسی قسم کا عذر یا انکار کریں تو آپ ان کی ایک نہ مانیں اور تمام عذر مسترد کر کے جس طرح بھی ہو سکے انہیں یہاں پہنچانے کا بندوبست کریں۔ کیونکہ ہم لوگ ان کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے ہیں تاکہ مدرس کے نہ ہونے کی وجہ سے جو بے رونقی ہو گئی ہے وہ ان کے آنے سے رفع ہو جائے۔

سلف صالحین کے طریقہ کو زندہ رکھنے اور ان کی پیروی کرنے کیلیئے جیسا بھی آپ فرمائیں گے اس پر دل و جان کیساتھ عمل کیا جائے گا۔ اس کام کی تفصیل آپ کو بیان کر دی گئی ہے اسلیئے اصل حقائق معلوم کر کے جلد از جلد اطلاع دیں تاکہ اس کے مطابق کام کیا جائے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ شیخ اجل صدر الدین، نظام الاسلام، شمس الوزراء (اللہ تعالیٰ آپ کی تمکنت میں اضافہ کرے) ان تمام باتوں کی حقیقت سے آگاہی حاصل کر کے ہمیں بھی مطلع فرمائیں گے۔

حجۃ الاسلام کے نام وزیر عراق کا خط

یہ خط نظام الدین احمد بن صاحب الشہید نظام الملک اسحاق بن علی بن اسحاق نے بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی تدریس کے بارے میں حجۃ الاسلام کی طرف لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواجہ امام اجۃ الاسلام (اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے) پر واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرنا اور ان کا شکر بجالانا تمام اہل جہاں پر فرض ہے اور یہ فیض الٰہی ہمیشہ کیلیئے اسی صورت قائم رہ سکتا ہے جب شکر ادا کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لئن شکرتم لا زیدنکم اگر تم شکر گزار ہو گے تو میں تم پر اپنی نعمتیں زیادہ کرونگا۔ اور بندوں پر حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور عنایتوں میں سے سب بڑھ کر علم ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ یؤتی الحکمۃ من یشاء الخ۔ جس شخص کو اس عنایت سے مخصوص اور پیرایہ علمی سے آراستہ کیا گیا ہو اسکے لیے اس نعمت کی شکر گزاری نہایت ضروری ہے اور اس نعمت کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ طالبوں کو فائدہ اور مسلمانوں کو اس علم کا فیض پہنچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حجۃ الاسلام کو یہ نعمت اوروں کی نسبت بہت زیادہ دے رکھی ہے۔ اور علم نے اس درجہ تک پہنچایا ہے کہ جہان کا پیش رو، یگانہ وقت اور قائم روزگار بنا دیا ہے اسلیئے اس بے بدل نعمت کے بدلے آپ کو اس کی زکوٰۃ دینی چاہیے اور اس کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اس علم کو پھیلایا جائے اور طلباء کی رہنمائی کی جائے۔ اگرچہ آپ کی عمر اس نیکی سے آراستہ رہی ہے اور جہاں کہیں بھی آپ رہے آپ کے وجود مسعود

سے لوگ فیضیاب ہوتے رہے ہیں لیکن جس طرح آپ علم میں یکتائے زمانہ ہیں آپ کیلئے مقام اور مسکن بھی اسلامی ممالک میں سب سے اعلیٰ ہونا چاہیے تاکہ تمام روئے زمین کے طالب علم استفادہ کر سکیں۔

سو اس مقصد کیلئے بغداد سب سے اچھی جگہ ہے۔ تمام مسلمانوں کی عرصہ دراز سے یہ خواہش ہے اور ہونا بھی ایسے ہی چاہیے۔ اگر آپ اس درخواست کو مقبول فرمائیں تو آپ کو ثواب عظیم اور ہمیں خوشی ہوگی اور انشاء اللہ آپ کی یہاں تشریف آوری خوشی، برکت اور تعریف کا باعث بنے گی۔

حجۃ الاسلام کی طرف سے صدر الوزراء کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”ولکل وجھة ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس آدمی کا رخ جس کام کی طرف ہوتا ہے وہی اس کا مقصد ہوتا ہے پس تم نیکی کے کاموں کی طرف سبقت حاصل کرو۔ نیکی کو مطمع نظر بنانے والے لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ اول عوام جو اہل غفلت ہیں۔ دوم خواص جو اہل دانش ہیں سوم خاص الخواص جو اہل بصیرت ہیں۔

(۱) اہل غفلت

اہل غفلت کی نگاہ صرف جلدی آنے والی نیکی پر ہوتی ہے چنانچہ وہ خیال کرتے ہیں کہ دنیاوی نعمتیں سب سے بڑی ہیں جن کا ثمر باعث جاہ و مرتبہ ہے۔ اسلیئے انہوں نے مال و دولت کو اپنا قبلہ بنالیا ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس

بارے ارشاد فرمایا ہے کہ **ماذئبان ضاریان ارسلا فی ذریة غنم باکثر فسادا فیھا من حب الشرف والمال فی دین المرء المسلم** ۔ جس قدر نقصان ایک مسلمان کے دین میں مال و مرتبہ کی محبت کرتی ہے اتنا نقصان دو خونخوار بھیڑیے بھیڑوں کے گلہ میں بھی نہیں کر سکتے۔ یہ غافل لوگ بھیڑیے اور شکار میں اور نہ ہی آنکھوں کی ٹھنڈک اور گرمی میں تمیز کرتے ہیں۔ اسلیئے حصول دولت میں محو رہتے ہیں اور اسی کو بظاہر وہ بلندی خیال کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ درھم و دینار کے بندوں کیلئے ہلاکت ہو۔ عیش و عشرت میں زندگی بسر نہ کرو۔ اگر کوئی چیز تمہاری ہو تو اسی کو ہر وقت دل میں جگہ نہ دیئے رکھو۔

(۲) اہل دانش

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کا آخرت کیساتھ موازنہ کیا اور جانا کہ آخرت دنیا کی نسبت بہتر ہے۔ اس آیت کے مصداق یہ لوگ ہیں **والآخرة خیر وابقی**۔ آخرت اچھی اور باقی رہنے والی چیز ہے۔ یہ عقلمندی نہیں کہ لدی چیز سے فانی کو اچھا سمجھا جائے اس لیے ان لوگوں نے دنیا سے منہ پھیر کر آخرت کو اپنا قبلہ بنایا ہے اگرچہ انہوں نے بھی مطلق بہتری کو اختیار نہیں کیا۔ تاہم دنیا کی نسبت بہتر چیز کو چنا ہے۔

(۳) اہل بصیرت

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہچان لیا ہے کہ جس چیز کا بدل ہو سکتا ہے وہ مطلق نہیں اور جس سے بڑھ کر کوئی چیز ہے وہ غائب ہو جانیوالا ہے۔ **والعاقل لایحب الآفلین**۔ اور عقلمند آدمی ڈوب جانے والی چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔ پس ان لوگوں نے دیکھا کہ دنیا و آخرت دونوں تخلیق کردہ اشیاء ہیں تو سوچا کہ ان

دونوں کا خالق ان سے بہتر ہے اور یہ کلمہ ان پر منکشف ہوا کہ "واللہ خیر وابقی" اللہ تعالیٰ سب سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اسلیئے انہوں نے ان اصحاب الجنة الیوم فی شغل فاکھون کے مقام کو چھوڑ کر فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر والامقام اختیار کیا۔ بلکہ ان لوگوں پر لاالٰہ الااللہ کی حقیقت ظاہر ہوئی اور انہوں نے جان لیا کہ آدمی جس چیز کے خیال میں ہوتا ہے اسی کا بندہ ہوتا ہے اور وہ چیز اس کا معبود اور الہٰ ہے۔ اسی لیے جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے۔ تعس عبدالدرھم۔ درہم کے بندے کیلئے ہلاکت ہے۔ جس کا مقصود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز ہے اس کی توحید مکمل نہیں اور وہ شرک خفی سے خالی نہیں۔ ان لوگوں نے کل وجود کے دو حصے کیے ہیں ایک اللہ اور دوسرا ماسویٰ اللہ۔ پھر ان دونوں کے دو پلڑے ترازو کی طرح بنائے اور دل کو اس ترازو کی مٹھ بنایا اور جب اسے اچھے پلڑے کی طرف مائل دیکھا تو کہا۔ قدثقلت حافة الحسنات۔ نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گیا۔ اور انہیں معلوم ہو گیا کہ جو اس ترازو پر پورا نہیں اترتا وہ قیامت کے ترازو پر بھی پورا نہیں اترے گا۔ جس طرح پہلا گروہ دوسرے کے مقابلہ میں عوام کی مثل ہے اسی طرح دوسرا گروہ تیسرے کے مقابلہ میں عوام کی طرح ہے۔ اور وہ ان کی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لیے انہیں النظر الی وجه اللہ کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی اگرچہ زبانی بہت کچھ کہتے پھرتے ہیں۔ صدر الوزراء (اللہ انہیں اعلیٰ مقامات پر پہنچائے) مجھے ادنیٰ جگہ سے اعلیٰ جگہ آنے کی دعوت دیتے ہیں اس لیے میرا بھی فرض بنتا ہے کہ انہیں اسفل السافلین سے اعلیٰ علیین کی طرف بلاؤں۔ اسفل السافلین پہلے گروہ کا مقام ہے اور اعلیٰ علیین تیسرے کا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ من احسن الیکم فکافئوه۔ جو تم سے نیکی کرے تم بھی اسے بدلہ دو۔ اسلیئے آپ اسی بات کی جلدی کریں کہ عام کے درجہ سے

نکل کر خواص کے مقام میں داخل ہوں۔ کیونکہ طوس اور بغداد پر کیا منحصر، پوری دنیا سے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے راستے برابر ہیں۔ اب یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ اگر ایک دینی کام ترک کریں، ایک خلاف شریعت عمل کریں، کسی رات آرام سے سو جائیں اور آپ کی سلطنت میں کوئی مظلوم و مقہور موجود ہو تو آپ کے درجہ میں کمی آئے گی اور آپ کا شمار اہل غفلت میں ہو گا۔ اولئك هم الغافلون لا جرم انهم فی الآخرة هم الخاسرون۔ اسئل اللہ ان یوقظه من نوم الغفلة لینظر فی یومه لغده قبل ان یخرج الامر من یده۔ یہی لوگ غافل ہیں اور اسی لیے آخرت میں خسارہ اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی التجا کرو کہ وہ غفلت کی نیند سے تمہیں جگائے تاکہ اپنے کل کی فکر کر سکو قبل اسکے کہ معاملہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔

جامعہ نظامیہ کی تدریس سے معذرت کی وجوہات

اب رہا مدرسہ نظامیہ بغداد کا معاملہ اور صدر وزارت کے حکم سے انکار کی وجہ۔ تو عرض ہے کہ وطن اسلیئے ترک کیا جاتا ہے کہ دین میں اضافہ ہو یا دنیا میں۔ دنیا کی طلب اور اقبال مندی اللہ کے فضل و کرم سے میرے دل سے اٹھ چکی ہے۔ اگر میری مرضی کے بغیر بغداد میں لے آئیں اور مجھے خوشی محسوس ہو اور دل اس طرف متوجہ ہو تو مصیبت دگنی ہو جاتی ہے۔ رہی دینی ترقی تو اسکے لیے عمر کی حرکت و طلب درکار ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ علم کا فیض وہاں بآسانی پہنچایا جا سکتا ہے، سامان تیار ہے اور وہاں کے طلباء کو بھی ضرورت ہے لیکن اس معاملہ میں بھی ایک دینی عذر ہے وہ یہ کہ یہاں ایک سو پچاس پرہیزگار شاگرد استفادہ کر رہے ہیں۔ ان کی یہاں سے نقل مکانی اور فراہمی اسباب انتہائی مشکل

امر ہے۔ ان کو تکلیف میں چھوڑ کر اور دل دکھا کر جانے کو چھوڑ کر بس دوسرے یتیموں کی پرورش کرنے کیلئے دوسری جگہ چلا جائے۔

دوسرا عذر یہ ہے کہ جن دنوں صدر شہید نظام الملک قدس سرہ نے مجھے بغداد بلایا تھا۔ میں تنہا تھا اور بال بچوں کے جھنجھٹ سے بری۔ لیکن اب اہل وعیال والا ہوں۔ ان لوگوں کی نقل مکانی مشکل امر اور انہیں چھوڑنا اور دل توڑنا جائز نہیں ہے۔

تیسرا عذر یہ ہے کہ جب میں ۴۹۰ھ کو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے مزار مبارک پر پہنچا جسے آج تقریباً پندرہ سال گذر رہے ہیں تو تین منتیں مانیں اور اب تک ان پر کاربند رہا ہوں۔

ایک یہ کہ کسی بادشاہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔

دوسرے کسی بادشاہ کا مال قبول نہیں کروں گا۔

تیسرے مناظرہ نہیں کروں گا۔

اگر میں ان تینوں میں سے کسی بھی اقرار کو توڑوں تو میرا دل اور وقت خراب ہونگے اور کوئی دینی کام نہیں کر سکوں گا۔ بغداد میں رہ کر مناظرہ بھی کرنا پڑے گا اور سلام و نیاز بھی نہیں رک سکیں گے۔ جب میں شام سے لوٹ کر بغداد میں آیا تھا تو میں نے سلام نہیں کیا تھا اور ہر طرح سے بچا ہوا تھا کیونکہ کسی کام میں مشغول نہ تھا۔ اب اگر کسی کام میں مصروف ہو جاؤں اور باطن اس کا انکار کرے تو جو نتائج باطن سے ظہور میں آئیں گے وہ ظاہر ہیں۔ سب سے بڑا عذر زندگی بسر کرنے کا ہے کیونکہ میں شاہی مال نہیں لینا چاہتا اور بغداد میں میری ملکیت نہیں۔ اس لیے وہاں دن کاٹنے مشکل ہو جائیں گے۔ قناعت اور میانہ روی سے کام لیتے ہوئے طوس کی مختصر جائیداد سے میرا اور بال بچوں کا گذر ہو رہا ہے۔ اگر طوس سے

چلا جاؤں تو قناعت اور میانہ روی میں فرق آئے گا اور یہ دینی عناد ہو گا۔ اگرچہ لوگ ان امور کو سہل سمجھتے ہیں لیکن میرے لیے بہت بڑے ہیں۔

آخری عذر یہ ہے کہ عمر کا اکثر حصہ گذر چکا ہے اور اب سفر فراق کا وقت ہے نہ کہ سفر عراق کا۔ مجھے آپ کے مکارم اخلاق سے امید ہے کہ میرے عذر قبول فرمائیں گے اور یہ فرض کر لیں گے کہ غزالی بغداد پہنچا اور اجل نے اسے آگھیرا۔ اب تدریس کیلئے کوئی اور تدبیر کر لیں۔ جو تدبیر میرے فوت ہونے کے بعد کرنی ہے وہ آج ہی کر لیں۔ والسلام

اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت ایمانی سے جو صورت ایمانی سے بڑھ کر ہے آراستہ کرے تاکہ جہان اس ایمان سے آباد ہو جائے۔

☆☆☆

شہاب الاسلام کے نام خطوط

پہلا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ کی مجلس عالیہ دینی و دنیاوی سعادتوں سے معمور ہو اور اس کے ساتھ آپ کے دل سے حوادثات و بدنصیبی کی علامات اور شیطانی مکر و فریب دور ہوں۔

جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ **داؤوا مرضاکم بالصدقة۔**

اپنے مریضوں کا علاج صدقہ سے کرو۔ عوام الناس اس سے مراد جسمانی علاج لیتے ہیں لیکن خواص اس سے مراد دل کا علاج لیتے ہیں اور جسمانی اور قلبی علاج

میں بہت فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "فی قلوبھم مرض" ان کے دلوں میں مرض ہے۔ دلی امراض جس قدر خطرناک ہیں اسی قدر اس کے مریض بھی زیادہ ہیں چنانچہ جسمانی بیمار ہزار میں سے ایک آدھ ہوتا ہے لیکن دلی بیمار ہزار میں سے نوسو ننانوے۔

حقیقتاً نجات وہی پائے گا جس کا قلب سلیم ہوگا۔ جس طرح جسمانی مرض کی علامت ہے کہ بھوک کم لگتی ہے اسی طرح دلی مرض کی علامت بھی اسکی غذا یعنی ذکر الٰہی کی طرف کم مائل ہونا ہے جس طرح خوراک اور غذا کے بغیر بدن سلامت نہیں رہ سکتا اسی طرح حق تعالیٰ کی محبت کے بغیر دل بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور دلوں کا اطمینان ذکر الٰہی میں پوشیدہ ہے۔ جو شخص ذکر الٰہی میں زندگی بسر نہیں کرتا اس کا دل مردہ ہے۔ ان فی ذالك لذكرى لمن كان له قلب۔ اس میں صاحب دل کے لیے نصیحت ہے۔ لیکن ہر شخص کو دل کی خبر نہیں اور نہ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ دل کیلئے کونسی چیز غذا ہے اور کونسی زہر۔ اللہ تعالیٰ انسان اور اسکے دل کے مابین ہی تو ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ **لاتجالسوا الموتى قيل ومن هم يا رسول الله ﷺ؟ قال الاغنياء.** مردوں سے نشست وبرخاست نہ رکھو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! وہ کون ہیں؟ فرمایا۔ امراء۔ لیکن یہاں امیر سے مراد وہ شخص نہیں جس کے پاس مال ہے بلکہ وہ شخص ہے جس کے دل میں مال ہے اور وہ اپنے دلی امراض کے علاج سے گریز کرتا ہے۔ صدقہ کے ذریعے علاج کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ مال سے علاج کرے بلکہ یہ ہے کہ مال کے وسیلہ سے کسی ایسے شخص کی حمایت حاصل کرے جو دل کے علاج سے واقف ہو اور خود بیمار نہ ہو۔ سو ایسا طبیب آج کل بہت کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ فلاں شخص دلی امراض کا طبیب اور صاحب دل ہستی ہے۔ دل کا سب سے اعلیٰ مقام توحید کا درجہ ہے لیکن

صرف زبانی توحید نہیں بلکہ توحید کی معرفت اسے حاصل ہو۔ اور اس کے حال پر وارد بھی ہو۔ اور وہ شخص صاحب معرفت بھی ہے اور صاحب حالت بھی۔ کامل وہی شخص ہوتا ہے جس کی معرفت اور پرہیزگاری کا نور نہ بجھنے پائے۔ یہ صفت بھی اس شخص میں پائی جاتی ہے۔ اس نے ضرورتاً اور کثرت اہل وعیال سے مجبور ہوکر حرکت کی ہے اور میں نے اسے آپ کی محفل عالیہ کا پتہ بتایا ہے۔

اولیاء کے فقر واحتیاج کی حکمت

اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو فقر وحاجت کی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اغنیاء کے پاس جائیں اور اغنیاء ان کی ضروریات پوری کر کے سعادتیں لوٹیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے نرمی برتتا ہے۔ فقر کی کٹھالی اس لیے تیار کرتا ہے کہ اپنے اولیاء کو رسوائی کی آگ میں جلائے اور تمام آلائشوں سے پاک کرے۔ اور اغنیاء ان پر مہربانی کے طفیل سعادتوں سے بہرہ ور ہوں۔ اسلئے آپ کی مجلس عالیہ کیلئے مناسب ہے کہ مذکور شخص کی ضرورت پوری کریں اور خلوت میں اس کی باتیں سنیں۔ اس طرح آپ کو بہت فائدہ حاصل ہوگا اور اسکی برکات سے آپ فیض یاب ہوں گے۔ والسلام

☆☆☆

دوسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعمت کی حقیقت

میں اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ آپ کی مجلس عالیہ کو پوری پوری نعمت، نعمت کی دوامیت، نعمت کے شکر اور نعمت کی حقیقت معلوم کرنے کی

توفیق دے۔ پوری نعمت کا مطلب یہ ہے کہ اس زندگی کے بعد "فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر" کے مقام پر فائز ہوں۔ اگر یہ حالت ہمیشہ قائم رہے تو یہی نعمت کا دوام ہے۔ اور اگر یہی بات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مقصود نہ ہو تو یہ نعمت کی حقیقت کی معرفت ہے۔ دو قسم کے ٹھکانے ہیں ایک مقعد صدق۔ دوسرا مقعد زور۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر کاربند رہتا ہے وہ مقعد صدق میں ہے اور جو ماسویٰ اللہ سے تعلق رکھتا ہے وہ مقعد زور میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "انا جلیس من ذکرنی" جو مجھے یاد کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوں نیز فرمایا "ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطانا فهو له قرین" جو شخص ذکر رحمٰن سے روگردانی کرتا ہے ہم اس کے لیے شیطان مقرر کردیتے ہیں جو اس کا دوست ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہم نشین اس کیفیت میں ہونگے "واذا رأیت ثم رایت نعیما و ملکا کبیرا" جب تم ان کو دیکھو تو نعمتوں اور بہت بڑی بادشاہی کو دیکھو گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ہم نشین اس حالت میں ہونگے۔ کسراب بقیعة یحسبه الظمآن ماء حتی اذا جائه لم یجده شیأ" وہ سراب کی طرح ہے جسے پیاسا پانی گمان کرتا ہے اور جب وہاں پہنچتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ بلند ہمت کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اچھی چیز کو چھوڑ کر ایک حقیر چیز کو اختیار کرلے۔ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ولم ارفی عیوب الناس عیباً
کنقص القادرین علی التمام

انسان کے عیوب میں مجھے اس سے بڑھ کر کوئی عیب دکھائی نہیں دیتا کہ باوجود قدرت رکھنے کے کسی کام کو ناتمام چھوڑ دے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ خلافت سے پہلے جب کبھی ہزار دینار سے ان کے لیے لباس خریدا جاتا تو فرماتے کہ کیا ہی

اچھا ہوتا اگر یہ لباس کھردرا نہ ہوتا۔ خلیفہ بننے کے بعد جب پانچ سو کا لباس بھی خریدتے تو فرماتے۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لباس نرم اور صاف نہ ہوتا۔ جب آپ سے اسکی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میرا نفس جب ایک مزہ چکھ لیتا ہے تو اس سے اچھے مزے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے اس طرح کرتے کرتے درجہ خلافت تک پہنچ گیا جو دنیاوی مرتبوں میں سب سے بڑا مرتبہ ہے۔ بعد ازاں اس نے اس سے بڑھ کر ایسی چیز کی خواہش ظاہر کی جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پس دنیا میں سب سے بڑے رتبہ کے حصول کے بعد اب یہ اس سے بھی اعلیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ولا غرومن فضل اللہ تعالیٰ ان یجمع له بین نعیم الدنیا و نعیم الآخرة انه جواد کریم۔ یہ فضل الٰہی سے تعجب کی بات نہیں کہ کسی شخص کو دنیا و آخرت کی نعمتیں عطا فرمائے کیونکہ وہ بہت زیادہ سخی اور کریم ہے۔

یہ خط ایک معمر شیخ کے التماس سے لکھا گیا ہے جس نے عمر کا اکثر حصہ بزرگوں کی خدمت میں صرف کر کے ان کی برکات صحبت حاصل کی ہیں اور آخری عمر میں اس کی حالت متغیر ہوگئی ہے، بڑھاپے کی وجہ سے روزی کا سلسلہ بند ہے اور شیخ ابوبکر عبداللہ نے جو روئے زمین کے اوتاد میں سے ہیں مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ میں آپ سے بزرگ کی سفارش کروں اور اس کو فرمایا ہے کہ تم مجلس عالیہ سے مدد کی درخواست کرو۔ اسلیئے میں نے شیخ صاحب کے اشارہ کو مبارک سمجھ کر اس چیز کا اظہار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ آپ کی نگاہ میں دنیا ہیچ کردے اور آسمانی بادشاہت کے دروازے آپ کیلیئے کھول دے تاکہ زمین اور اسکی اشیاء کو آسمانی بادشاہت کے مقابلہ میں مٹی کا ڈھیلہ سمجھیں اور ان ولایتوں کو بھی دیکھیں جو اوپر ہیں۔ والسلام

تیسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام اجل شہاب الاسلام نصرت، اقبال مندی، دولت اور توفیق الٰہی کی برکتوں سے عبادت میں اخلاص پر قائم رہیں، زمانہ کی مصیبتیں اور دشمنوں کے مکرو فریب سے بچے رہیں، زمانہ کی کدورتوں سے نکلنے اور عزیز و اقارب اور متعلقین سے ربط مبارک ہو۔ حوادثات زمانہ ختم ہوں اور تاریکیوں سے بچے رہیں۔

دلوں کو اس بات سے بہت ڈھارس ملی کہ بزرگان دین کی دعا نے آپ کو خطرے کے مقام سے محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا انتظام ایسے مقام کو پہنچ جائے کہ زمانے کی تکلیف و آلام بھی آپ کے منصب تک نہ پہنچ سکیں اور یہ بات اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی جب تک کہ دنیاوی رسوم سے بالکل روگردانی نہ کی جائے اور تمام امور عبادت، باطنی اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر نہ کیا جائے۔ قل بفضل اللہ و برحمۃ الخ۔ کیونکہ مخلوق کی حمایت پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ ظاہر ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء...... الخ

اگر یہ حالت اقبال و اخلاص ظاہر ہو تو انسان لا الہ الا اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے اور مخلوق مسخر رہتی ہے اور اگر عمرو زید کی حمایت پر بھروسہ کیا جائے تو اس کی مثال اس عمارت کی سی ہے جو سمندر کی لہروں پر بنائی جائے انسانی دل کا خاصہ ہے کہ اس میں انقلاب اور تبدیلی آتی رہتی ہے خصوصاً آجکل کے افسروں میں ثابت قدمی کا بہت زیادہ فقدان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مخلوق کی ذمہ داری پر نہ

رکھے بلکہ ایسا منصب عطا فرمائے جس میں اقبال اور اعراض بالکل حقیر اور مختصر ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق حقیقی ہے اور فضل و سخاوت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا ہی ممنون احسان رہنا چاہیے۔

☆☆☆

مجیر الدین کے نام خطوط

پہلا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا و آخرت کا حصہ

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ وابتغ فیما اتک اللہ الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کیلئے توشہ حاصل کرنے کی کوشش کرو اور دنیا میں اپنے حصہ کو نہ بھولو۔ خلق خدا سے ایسی نیکی کرو جیسی اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کی ہے۔

اس کلمہ الٰہی کے معانی پر غور کرنا آپ کیلئے ضروری ہے کیونکہ اس کلمہ کے ہر لفظ میں اسرار کا سمندر ہے اور اس کے فوائد کی انتہا نہیں۔ دینی بصیرت سے ان سمندروں میں غوطہ خوری کرنا ضروری ہے جو شخص دنیاوی چیزوں پر محنت صرف کرتا ہے یا دنیاوی زوال پذیر چیزوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے وہ اس کلمہ کے بھید سے محروم اور ایسے ہی شخص کے بارے فرمان ہے۔ من کان یرید

الحیوۃ الدنیا و زینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون اولئك الذین لیس لھم فی الآخرۃ الاالنار ......الخ۔ جو شخص دنیاوی زندگی اور زینت چاہتا ہے ہم اسی میں اسکے اعمال پورے کر دیں گے اور وہ ان میں کم نہیں کیے جائیں گے لیکن (یاد رہے) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں آخرت میں آگ کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوگا۔

جو شخص خزانہ، ذخیرہ اندوزی، اور کثرت اموال کا طالب ہے وہ اس کلمہ کے بھید سے غافل ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ولا تنس نصیبك من الدینا. دنیا میں اپنے حصہ سے غافل نہ ہو جاؤ۔ اور حصہ کیا ہے؟ اس بارے حضور ﷺ نے فرمایا۔ لیس لك من مالك الاما اکلت فافنیت اوتصدقت فابقیت. جو مال تیرے پاس ہے اس میں سے جو تونے کھالیا اسے فنا کر دیا یا جو صدقہ کر دیا اسے باقی رکھا۔

جس شخص نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کو خواہ وہ جنت الفردوس ہی کیوں نہ ہو، مد نظر رکھا، وہ آیت احسن اللہ الیك (الخ) کے مفہوم سے ناواقف ہے۔ جناب سرور کائنات ﷺ نے احسان کی شرح یوں فرمائی کہ احسان اس بات کا نام ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے وہ نعمت عطا فرمائی ہے جس سے آپ بہرہ ور ہیں اسکے کیلئے نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور شکر کا معنی یہ ہے کہ نعمت کے درجوں کو پہچانے اور جس سے بڑھ کر کوئی اور ہو اس پر قناعت نہ کرے۔ بلکہ سب سے اعلیٰ کے حصول کی سعی کرے اور اسکی معرفت اور وسیلہ زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ کام ترقی پر ہو۔ شکر کی تعریف قران مجید میں یوں فرمائی گئی ہے کہ لئن شکر تم لازیدنکم۔ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر اپنی نعمتیں زیادہ کردوں گا۔ اصل شکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کیا کہ نعمتوں کا مزہ چکھتے چکھتے اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچ گئے۔

دنیا سے اعراض کرنے والوں کے گروہ

دنیا سے روگردانی کرنے والون کے تین گروہ ہیں۔

پہلے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جن کی نگاہ صرف دنیاوی مصیبتوں اور عیبوں پر پڑی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ ہم نے دنیا اس لیے چھوڑی ہے کہ یہ جلد فنا ہونے والی ہے، اس میں رنج و مصائب بکثرت ہیں اور اس کے شریک کمینے ہیں۔ اگرچہ ان لوگوں کا درجہ سب سے کم تر ہے لیکن پھر بھی ان لوگوں سے اچھے ہیں جو اتنی سی بات سے بھی غافل ہیں۔

دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جن کی بصیرت اس سے زیادہ پرکھنے والی ہے۔ یعنی ان کی نگاہ آخر کے کمال پر پڑی اور انہوں نے کہا کہ اگر بالفرض دنیا بالکل آفات سے بری اور صاف ہو تو بھی ہم اسے نہیں لینا چاہتے۔ کیونکہ وہ آخرت کیلئے حجاب ہے اور یہ لوگ پہلے لوگوں کی نسبت بہتر ہیں۔ ناقص چیزوں پر قناعت کرنا عین نقصان ہے۔ ان لوگوں پر والآخرۃ خیر وابقی کا راز کھل گیا ہے اسی لیے یہ کہتے ہیں کہ اگر دنیا سونے کی زوال پذیر چیز ہو اور آخرت مٹی کی ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہو تو دانا کیلئے ضروری ہے کہ سونے کے مقابلہ میں مٹی کو پسند کرے لیکن حقیقتاً دنیا زوال پذیر مٹی کی ٹھیکری اور آخرت ہمیشہ باقی رہنے والا سونا ہے، تو پھر آخرت کو کیونکر پسند نہ کیا جائے تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو ان دونوں سے بڑھ کر ہیں انہوں نے دنیا اور آخرت دونوں کو ترک کر دیا ہے۔ ان پر اس آیت کا بھید کھلا ہے کہ واللہ خیر وابقی۔ انہوں نے اس منصب کا جلال دیکھ لیا ہے جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر. اس منصب کا متعلقہ اشیاء کے بارے انہیں معلوم ہے کہ جنت میں ملیں گی۔ ان میں حواس سے متعلقہ چیزیں ہیں یعنی کھانے،

سونگھنے، دیکھنے، چھونے اور سونے کے متعلق۔ ایسی چیزوں میں جانور بھی شریک ہو سکتے ہیں اس لیے محض انہیں پر اکتفاء کرنا جانوروں کی خصلت ہے اس گھٹیا چیز کو ترک کر کے انہوں نے فرشتوں کا رخ کیا کہ ہمیشہ کیلئے بارگاہ الٰہی سے متعلق ہو گئے۔ ان کے بارے کہا گیا ہے کہ یسبحون اللیل والنہار لا یفترون۔ رات دن کوتاہی کے بغیر تسبیح میں مشغول ہیں۔ کام کی انتہا یہی ہے وان الی ربك المنتهی۔ واقعی تیرے رب کی طرف انتہا ہے۔ اور یہ ایسا ہی کام ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ کیونکہ مشاہدۂ ربوبیت میں ترقی کے درجوں کی کوئی انتہا نہیں اور یہ ایسے بھید ہیں کہ قلم اور زبان کو ان کی تشریح کی اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ میری رائے کی تائید اپنی توفیق سے کرے تاکہ آپ صرف اعلیٰ ترین درجہ کے حصول کی کوشش کریں اور اس سے کم پر قانع نہ ہوں اور ان کلمات پر غور کریں۔ ان باتوں کے بارے یہ نہ سمجھیں کہ عادات کو اکٹھا کیا گیا ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک بھید کا قاعدہ اور بنیاد موجود ہے۔ جن کی ابتداء سے بھی علماء واقف ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اس نے اس قسم کی فضیلت عطا کر رکھی ہے یہ دعا گو جب سے مشاہدہ کریم سے مستفید ہوا ہے۔ بغداد، شام، حجاز، یا عراق جہاں کہیں بھی گیا ہے اس بارگاہ عالیہ کی نعمتوں اور شکر سے خالی نہیں رہا۔ اب مدت سے گوشہ نشینی اختیار کی ہوئی ہے۔ بادشاہوں سے خط و کتابت یا میل جول کا سلسلہ بند کر دیا ہے اور قلم و زبان پر مہر لگا دی ہے۔ اپنی عادت کے خلاف بندہ نے جو کچھ آپ کی طرف تحریر کیا ہے اسکی دو وجوہ ہیں۔

ایک یہ کہ جائے زیارت کے قریب ہونے، فتح مبارکہ کیلئے بشارت کی طلب کرنے، اور اچھی خصلتوں کی خوشی کی وجہ سے جو اس سلطنت کے لوگوں کو نصیب ہوئی ہیں قلم خود بخود رواں ہو گیا۔

دوسرے یہ کہ اس علاقہ پر مصیبت کا وقت ٹلنے پر فلاں شخص نے اخلاص اور ارادت مندی کے طفیل آپ کو خوشخبری اور مبارکباد دینے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن اسکے جانے سے شہر خالی محسوس ہوتا تھا اسلیئے میں نے اسے مشورہ دیا کہ ٹھہر جاؤ کیونکہ رسموں کی ادائیگی کی نسبت رعایا کی بہتری مقدم سمجھنا آپ کی مجلس عالیہ کا خاصہ ہے اور آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ خوشبرد، کم آزار اور رعایا پر شفیق ہیں مزید برآں وقار، سکون اور حسن تدبیر جو حکمرانی کے لوازمات ہیں آپ کی ذات میں موجود ہیں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ مجلس عالیہ سے اس شخص کے نام احکام جاری ہونگے اور حسب سابق اسکی امداد کی جائے گی۔ تاکہ اس کا جذبہ خلوص برقرار رہے۔ چونکہ ریاست کے نائب میں کفایت شعاری اور وفاداری کا ہونا ضروری ہے اس شخص میں ان صفات کے علاوہ نسبی جاہ علم اور دیانت کے اوصاف بھی دوسروں کی نسبت زیادہ ہیں اور آپ اس پر پہلے بھی اعتبار کرتے تھے حکم نامہ پر علمدرآمد میں توقف کی وجہ یہ تھی کہ عوام بے چین تھے اور میں اسے رعایا پروری کی ترغیب دیتا تھا۔ اب امید ہے کہ تمام کاموں کا انتظام احسن انداز میں ہو گا اور بڑے بڑے آدمیوں میں موافقت پیدا ہو جائیگی۔ اس لیے آپ اسکے بارے احکام صادر فرمائیں تاکہ کسی بھی قسم کا توقف اور تردد دور ہو جائے۔ آپ کے حکم کی وجہ سے تمام لوگ مطمئن ہو جائیں گے۔ طوس کے معاملہ میں خاصے غور و خوص کی ضرورت ہے کیونکہ یہ شہر پرہیزگاروں اور دیانتدار لوگوں سے بھرا پڑا ہے جن کی دعا حصن حصین ہوا کرتی ہے۔ گرد و نواح میں یہ مصیبت برپا ہے کہ لوگ حسد اور اغراض کی وجہ سے بناوٹی باتیں کرتے ہیں اور اکثر آدمیوں کی یہی خصلت ہوا کرتی ہے ان کی باتوں سے دین کی راہ میں توقف اور دیر پیدا ہوتی ہے۔ ان احوال کی تفصیل فلاں شخص بیان کر دے گا جو ہر

طرح سے قابل اعتبار ہے۔ اس شخص کی مجلس اور اطراف واکناف کے لوگ شدت سے منتظر ہیں کہ آپ جلد از جلد اس کے نام فرمان مبارک جاری کریں تاکہ یہ سب فارغ البال ہو جائیں اور آپ کی مدد اور آپ کے لیے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دعا آپ کی معزز بارگاہ کے بارے ضرور قبول فرمائے گا کیونکہ یہ دین و دنیا کی پناہ گاہ ہے۔ والسلام

دوسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمان باری تعالیٰ ہے استجیبوا لربکم من قبل ان یاتی یوم لا مرد له من الله مالکم من ملجاء یومئذ ومالکم من نکیر فان اعرضو فما ارسلناك علیهم حفیظاً ان علیك الا البلاغ. لوگو! اس دن کے آنے سے قبل جو ٹلنے والا نہیں، اپنے پروردگار کا کہا مانو۔ اس دن نہ تم کو کہیں پناہ ہو گی اور نہ تم گناہوں سے انکار کر سکو گے اور اگر وہ اعراض برتیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا آپ پر صرف بات پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔ یوم لا مرد له سے مراد موت کا دن ہے۔ جس دن حسرت و ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ جب وہ ہمارا جلال دیکھیں گے تو اس وقت ان کو ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ بلاغ کے بارے خود ہی فرمایا ہے الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع نفسه هواها. دانا وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو پہچانا اور آخرت کیلئے عمل کیا اور احمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی میں ڈال دیا۔

فرمانبرداری کا مفہوم

فرمانبرداری یہ ہے کہ آخرت کیلئے توشہ تیار رکھا جائے یعنی دنیا سے صرف اسی قدر لے جو آخرت کے سفر کا توشہ ہو سکے۔ آخرت کا توشہ یہ ہے کہ پہلے اپنی فریادرسی کرے اور بعد ازاں خلق خدا کی۔ جو شخص خلق خدا کو مخالفین سے بچاتا ہے اس کا لقب آسمان میں مجیر الدولہ ہے۔ القاب آسمان سے اترا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں جس نے علم حاصل کر کے اس پر عمل کیا اور دوسروں کو سکھایا اس کو آسمانی بادشاہت میں عظیم کے نام سے پکارتے ہیں۔

ہر شخص کی حالت کے مطابق آسمان پر اس کا لقب ہوتا ہے۔ اپنی فریادرسی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو حرص و ہوا، غضب و شہوت، اور کبر و رعونت کی برائیوں سے بچائے کیونکہ ظالم لوگ شیطانی لشکر ہیں اور عقل جو ایک الٰہی لشکر ہے ان ظالموں کے پنجے میں قیدی ہے پس جو عقل ان شیطانی لشکروں کی غلامی اور قید سے آزاد کی گئی ہے وہ بارگاہ الٰہی کے مطالعہ کیلئے مناسب ہے۔

جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ لولا الشیاطین یحومون علی قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السمآء اگر شیطان انسان کے دلوں کے گرد نہ پھرتے تو انسان آسمانی بادشاہت کو دیکھتے۔ جس شخص نے اپنی عقل کو ان آلائشوں سے پاک کر لیا ہے اور بارگاہ الٰہی کے لائق ہو گیا ہے۔ اس کا لقب آسمان میں "مجیر الحضرة" ہے چونکہ آپ اپنے زمانے کے حکام میں سب سے ممیز اور دانا ہیں اس لیے آپ کی کمال عقل سے مجھے امید ہے کہ مذکور بالا معانی کے پیش نظر اپنے لقب کی تحقیق کر لیں گے۔

کہا گیا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جو اٹل ہے۔ خواہ جلدی آئے یا

دیر سے لیکن آئیگا ضرور۔ مخلوق خدا کی فریادرسی واجب ہے کیونکہ ظلم حد سے بڑھ گیا ہے۔ جب میں نے اس حالت کا مشاہدہ کیا تو میں طوس سے نکل آیا تاکہ ممکنہ حد تک ان بے رحم اور ظالم لوگوں کے مشاہدہ سے بچ جاؤں لیکن جب ایک سال بعد مجبوراً مجھے واپس لوٹ کر آنا پڑا تو دیکھا کہ ظلم بدستور جاری ہے اور لوگوں کی تکلیف پہلے سے دوچند ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو بشری صفات سے جو کہ دنیاوی ذلت اور اخروی عذاب کا باعث ہیں۔ بچائیے اسی کو جہاد اکبر کہتے ہیں اسی جہاد میں فتح کی علامت یہ ہے کہ جس کو یہ فتح نصیب ہوتی ہے وہ ایک ایسا بادشاہ بن جاتا ہے کہ دنیاوی بادشاہت سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے عمدہ لباس اور زیب و زینت والے کپڑوں سے انسان رعونت کا شکار ہو جاتا ہے اور بظاہر مرد محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت میں عورت ہوتا ہے۔ اور اگر یہ عمل اس لیے کرتا ہے کہ عوام الناس اور بازاری لوگ اس کی عزت کریں تو وہ تکبر کا شکار ہو جاتا ہے ایسا شخص بظاہر عقلمند لیکن حقیقتاً جاہل ہوتا ہے کیونکہ اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ جسم میں پوشیدہ حیوان جیسے ترک کہتے ہیں، کی خدمت کرنے سے اسے دینی و دنیاوی لاکھوں طرح کی تکالیف اور نقصان پہنچ سکتا ہے۔ عوام الناس اور بازاری لوگوں کی خدمت سے اسے کسی طرح بھی شرف و منزلت نصیب نہیں ہو سکتی اور اگر وہ غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ کوئی بھی اس کی خدمت نہیں کرتا بلکہ اپنی طمع اور شہوت کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے البتہ اس کو دھوکا ضرور دیتے ہیں، اس کی تعریف کرتے ہیں اور خود کو اس کا دوست ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ ان چند پیسوں کے دوست ہیں جو اس سے حاصل کرتے ہیں۔ اور اسے اپنی خواہشات کا وسیلہ بناتے ہیں اسے ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اسکے خدمت گذار اور دوست ہیں

لیکن اگر سن لیں کہ آقا ان کی بجائے کسی اور کو مقرر کرنے والا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں اور اس کے دشمن کی کئی گنا زیادہ خدمت کرنے لگتے ہیں۔ اگر غور کرے تو انسان کی خوشی لوگوں کی ہنسی اور معافی پر ہے اور اسے شرف کی بنیاد اس "ترکی" پر ہے کہ اگر اس کا خیال چھوڑ دے تو دنیا اس پر دوزخ کی طرح تنگ و تاریک ہو جائے۔ انسانی دل ہنڈیا سے بڑھ کر جوش مارتا ہے۔ وہ عزت بہت ہی بودی ہے جس کی بنیاد مخدوم کے دل کے میلان پر ہو وہ دراصل مکڑی کے جالے سے بھی بودا ہے۔ مثلا الذین اتخذوا من دون الله اولیاء کمثل العنکبوت (الخ) جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور کو دوست بناتے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے۔

شرف و منزلت کا اصل معیار

اصل شرف وہ ہے جو معرفت اور آزادی پر مبنی ہو اور اسے ہی باقی رہنے والی نیکیاں کہتے ہیں۔ معرفت اور بات کا نام ہے کہ دنیا کے غرور اور آخرت کے شرف کی حقیقت سے آگاہی حاصل ہو۔ آزادی اس بات کا نام ہے کہ اپنی آلائشوں سے اس طرح آزاد ہو جائے کہ اگر بالفرض دنیا کے تمام بادشاہ اس کی خدمت کریں تو بھی پروانہ کرے اور اگر اپنے وطن میں برائیوں کو دیکھے تو اپنی حالت پر ماتم کرے کیونکہ اگر دل میں خیال ہے تو ابھی بندہ وغلام اور حاجتمند ہے کیونکہ اس کی خوشی اور غم دوسری چیز سے وابستہ ہے جس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

حضور ﷺ نے حضرت علیؑ کو فرمایا: اذا تقرب الناس الی الله تعالیٰ باعمال البشر فتقرب انت الی الله بعقلك جب لوگ قرب الٰہی اعمال بشری سے حاصل کریں تو اپنی عقل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ یہ کلمات آپؐ نے اس لیے فرمائے کہ جو شخص بذریعہ عقل قرب الٰہی کی جستجو کرتا ہے اس کی

مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پاس چند درہم جو چند روز میں صرف ہو جائیں گے اسلیئے کہ بذریعہ عقل جو قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے وہ کام کی اصلیت سے واقف ہوتا ہے اسے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا حقیر ہے اسلیئے اس کی نظر میں دنیا کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی اور وہ حضرت علیؑ کی طرح کہنے لگتا ہے کہ میں نے دنیا کو تین طلاقیں دیں۔ جب تک ایسی عقل کا ظہور نہ ہو۔ دنیا کی حقیقت نہیں کھلتی۔ اور دنیا کی غلامی سے تعلق نہیں ختم ہوتا۔ جب تک دنیاوی زندگی باقی ہو۔ بارگاہِ الٰہی کا جمال نہیں دیکھ سکتا جسے شریعت رؤیت کہتی ہے۔ جس شخص کی کوشش محض بہشت اور حور و قصور کے لیے ہو وہ ولی اللہ نہیں کیونکہ اس کا قربِ الٰہی حاصل کرنا عوام سے ملتا جلتا ہے جیسے بادشاہ اور وزیر کہ ان کا محبوب اور مطلوب ان کی غرض ہوتی ہے جو اس سے حاصل کرتے ہیں۔ جو اللہ کے سوا غیر کی خواہش کرتا ہے وہ غیر ہی اس کا محبوب ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل کامل عطا فرمائی ہے اسلیئے میں راضی تب ہوں کہ آپ بذریعہ عقل قربِ الٰہی حاصل کریں تاکہ ارباب عقل میں شامل ہوں اور سراب کی چمک سے دھوکا نہ کھائیں۔

جو لوگ آخرت سے منہ پھیر کر کے دنیا کا رخ کیے ہوئے ہیں یہ انکی غفلت اور کم عقلی ہے کیونکہ خواہشات نفسانی ان پر ایسے غالب ہو رہی ہیں کہ کسی چیز کے بارے سوچنے کی مہلت نہیں ملتی۔ جس کی عقل راہ آخرت کو طے کرنے سے باز رہتی ہے اس کے دو سبب ہوا کرتے ہیں۔ یا تو وہ کسی نفسانی خواہش کا گرفتار ہوتا ہے جو مال، سرداری اور دشمنوں کی کمی پر خوش ہونے کی وجہ سے یہ عمل نہیں کر سکتا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان عزم صمیم کرے اور نفس کو حقارت کی نظر سے دیکھے، کمینوں کی خوشامد سے درگذر کرے اور دنیا سے اس

لیئے روگرداں ہو جائے کہ اس میں مصائب بکثرت ہیں۔ یہ جلدی فنا ہو جاتی ہے اور اس کے شریک کمینے ہوتے ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی شبہ یا بصیرت کی کمی کی وجہ سے اخروی امور میں دیر کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص آخرت کو محسوسات اور متخیلات کے قیاس پر درست کرنا چاہے اور درست نہ ہو تو کوئی تعجب نہیں کیونکہ وہ نہیں مانتا۔ ایسے شخص کا علاج یہ ہے کہ ہر وقت کوشش کرتا رہے اور یہ خیال نہ کرے کہ میری بصیرت اور عقلمندی سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں بلکہ لوگوں سے پوچھ پوچھ کر اصل حقیقت معلوم کرے جیسا کہ حکم ہے۔ "فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون" اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو، جس طرح ایک طبیب کو بذریعہ دلیل عقلی معلوم ہوتا ہے کہ انسانی روح ایک خاص عرصے تک جسم میں رہتی ہے اور کھانے والی چیزیں اسکی غذا ہیں اور زہر اس کی ہلاکت ہے۔ اسی طرح مجھے بذریعہ دلیل ناکہ اخبار و آثار کی تقلید کر کے معلوم ہوا ہے کہ انسانی حقیقت کو دائمی بقا حاصل ہے جس میں عدم کو دخل ہی نہیں۔ اور یہ کہ اس کی نجات بشری لوازمات سے آزاد ہونے میں ہے اور سعادت معرفتِ الٰہی میں ہے۔ نجات اور چیز ہے اور سعادت اور۔ ان کی شرح شاعری کی گپ زنی کی طرح خیالی نہیں یا واعظوں کی خوش کن اور ظنی دلیل کی طرح نہیں جو عوام و خواص کی خوراک ہے۔ بلکہ حقیقی اور عقلی دلیل سے اس کی تشریح کی گئی ہے جو محققین کے سمجھنے کے لائق ہے۔ آپ پر واجب ہے کہ اپنی جانچ پڑتال کریں اور دیکھیں کہ آپ میں کون سی ایسی چیز ہے جس نے آخرت کے بارے آپ کو متوقف بنایا ہوا ہے۔ پھر اس کا علاج کریں تاکہ عوام کی فریاد رسی نہ سہی اپنی فریاد رسی تو کر لیں۔ والسلام۔

تیسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبرت پکڑنا سعادت مندی ہے

جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں :

من احسن الیکم فکافئوہ۔

جو تم سے نیکی کرے تم بھی اس کے ساتھ ویسی نیکی کرو۔

کلمہ حق کو صبر سے سن لینا بھی ایک طرح کی آزمائش ہے۔ اسی لیے آپ کی مجلس عالیہ دعا کی مستحق ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی التجا کرتا ہوں کہ آپ کو حقیقی سعادت کی معرفت بخشے اور اس کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔

بعد ازاں عرض یہ ہے کہ سعادتمند وہی ہے جو غیر کو دیکھ کر نصیحت پکڑے۔ سب سے پہلا شخص جو اس بات سے محروم رہا تاج الملک تھا جسے نظام الملک کا انجام زبان حال سے پکار پکار کر کہتا تھا کہ امراء کو سابقہ امراء سے سبق سیکھنا چاہیے لیکن اس نے عبرت حاصل نہ کی اور کہنے لگا کہ نظام الملک بچہ تھا اسے کافی مہلت ملی اور ہم تجربہ کار ہیں لیکن تقدیر الٰہی نے اسکے غرور کو خاک میں ملادیا۔ پھر مجد الملک کو نصیحت حاصل کرنا چاہیئے تھی لیکن اس نے کہا کہ فوج تاج الملک کی دشمن تھی اور وہ خائن بھی تھا۔ یہ بات ہم میں نہیں۔ ہم زمانے سے خود ہی انصاف کرالیں گے اور اپنی مرضی کے مطابق حکمرانی کریں گے لیکن اس کے غرور کو بھی وقت نے خاک میں ملادیا۔ اور کہا گیا کہ اَوَلَم نعمّر کُم مایتذکّر فیہِ منْ تذکّر (الخ) کیا

ہم نے تمہیں زندگی نہیں دی تھی۔ کہ اس میں نصیحت قبول کرلیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا۔ ضروری تھا کہ موید الملک ہی زمانے کے ڈھنگ دیکھتا کہ جو چیز تین آدمیوں کے پاس نہ رہ سکی، اسکے پاس کیسے رہ سکتی ہے۔ لیکن اس نے دل میں کہا کہ یہ لوگ بلحاظ نسب اس عہدہ کے مستحق نہ تھے اسلیئے ان پر زوال آیا لیکن میں اس کا ہر طرح سے مستحق ہوں لیکن زمانے نے کچھ عرصے میں اس کو بھی باعث عبرت بنادیا اور اب مجیر الدولہ کی باری ہے کہ ممالک میں سب سے بڑا وزیر ہے۔ اسے بھی بارگاہ ایزدی سے ندا آتی ہے کہ اولم یھدلھم کم اھلکنا قبلھم من القرون یمشون فی مساکنھم . ان فی ذالك لایت لاولی النھی. کیا ہم نے انہیں دکھا نہیں دیا کہ کتنی امتوں کو جو اپنے گھروں میں گھومتی پھرتی تھیں ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ اس چیز میں صاحبان عقل کیلیئے نشانیاں ہیں۔

مجیر الدولہ کو نصیحت

اسے کہا جاتا ہے کہ اے وزراء میں سے سب سے زیرک! خبردار کسی صاحب عقل سے قطع تعلق نہ کرنا کیونکہ نصیحت صرف عقلمندوں کیلیئے ہے جو گذر چکے ہیں۔ اور جنہوں نے قطع تعلقی کی ہے ذرا ان کی حالت پر بھی غور کر اور دیکھ کہ کس قدر باغ اور چشمے چھوڑ گئے ہیں۔ اپنا بھی یہی حال سمجھ لو کہ اگر بالفرض اپنی مرضی کے مطابق کچھ مدت گذار لے گا تو انجام کار کیا ہوگا۔ افرأیت ان متعنا کم سنین ثم جاء ھم ماکانوا یوعدون ما اغنی عنھم ماکانوا یمتعون. کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے انہیں کئی سال فائدہ پہنچایا۔ پھر جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا آپہنچی اور جس سے وہ فائدہ اٹھاتے تھے وہ چیز ان کے کسی کام نہ آئی۔

رعایا کے احوال سے آگاہ کرنا

اچھی طرح جان لیجئے کہ کوئی وزیر اس بلا اور مصیبت میں مبتلا نہیں ہوا جو آپ کے زمانے میں ہے اور کسی وزیر کے زمانے میں ایسا ظلم و ستم نہیں ہوا جو اب ہو رہا ہے۔ اگرچہ آپ کام کے آدمی ہیں لیکن حدیث میں ہے کہ جب قیامت کے دن ظالموں سے مواخذہ کیا جائے گا حتی کہ صاحب قلم و دوات سے بھی باز پرس ہو گی تو آپ کی غمخواری کوئی نہیں کرے گا۔ اپنی تدبیر آپ کرلیں اور دین و دنیا کی سعادتیں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ایسا نہ ہوسکا تو جان لیجئے کہ دنیا سے سلامتی جاتی رہی ہے۔ آخرت کا توشہ تیار رکھنے پر کمر بستہ رہیے۔ اور امراء کو ظلم سے روکنے سے بڑھ کر کوئی توشہ نہیں جس قدر ممکن ہو انہیں ظلم سے روکیئے۔ خصوصاً اس علاقہ کے مسلمانوں کی ہڈیوں تک ظلم کی چھری پہنچ گئی ہے۔ ان کی بیخ کنی کی جا رہی ہے۔ اور رعایا سے وصول کردہ دینار سرکاری خزانے کی بجائے ان کے جیبوں اور تجوریوں میں جا رہے ہیں۔ ظالموں نے وہ سب گھٹیا لوگوں میں تقسیم کیئے۔ گذشتہ کی تلافی تو ممکن نہیں البتہ آپ کی شفقت و عنایت سے پر امید ہوں کہ آئندہ ان پر ظلم نہ ہونے پائیں گے۔

حتی المقدور اس علاقے کی خدمت کریں اور ان مسلمانوں کی دعاؤں سے اپنے زمانے کی آفات کے خلاف مضبوط قلعہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا میں سعادتیں حاصل کرنے میں مدد دے، راہنمائی بخشے اور اپنے فضل و کرم سے احوال و امور کی اصلاح فرمائے۔ والسلام

باب سوم

امرائے سلطنت کے نام خطوط

معین الملک کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ تلك الدار الآخرة ۔ یہ دار آخرت ہے۔ اخروی نجات کی دو شرطیں ہیں۔ بزرگی کی طلب اور فساد سے دور رہنا۔ جو شخص دولت چاہتا ہے اس کی طلب رائیگاں اور جو نادانوں کی طرح لہو و لعب میں مبتلا ہے فساد سے موسوم ہے۔ نجات کی شرطوں پر عمل پیرا ہوئے بغیر نجات کی امید کرنا عین غرور ہے اور اس بات سے انکار کہ یہ نجات کی شرطیں ہی نہیں قرآن مجید کو جھٹلانا ہے۔ آخرت سے منہ موڑنا اور بدبختی پر راضی رہنا عقلمندوں کا کام نہیں۔ ان دو شرائط کو اپنے اندر پیدا کر کے نجات کی امید رکھنی چاہیے۔ عیش و عشرت میں مبتلا رہ کر اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے تو غلطی پر ہے۔ یقیناً اللہ رحیم و کریم ہے لیکن نیک لوگوں کیلئے۔ ایسے شخص کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ نیک لوگ جنت میں ہونگے اور برے دوزخ میں۔ اور ایسا شخص بھی نادان ہے جو یہ کہے کہ

کل توبہ کروں گا کیونکہ شیطان کئی سال دھوکے میں ڈال کر کل کے وعدہ پر توبہ کوٹالتا رہتا ہے اور تمام عمر ایسے ہی گذر جاتی ہے۔ جب وہ اجل کے متعلق بھی نہیں جانتا اور ملک الموت سے بھی اس کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا تو شیطان کے دھوکے میں کیونکر آئے کہ اس نے کتنی کھیتیاں دھوکے سے جلا ڈالی ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ **صاحم اهل النار من سوف** اهل دوزخ اس وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونگے کہ انہوں نے کہا چلو یہ کام عنقریب کرلیں گے۔

آخری عمر میں اگر انسان ایسے اعمال بد کا شکار ہو تو اس کا سبب غفلت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جو تمام بدبختوں کا سرمایہ ہے۔ **افامن اهل القری ان یاتیهم بأسناضحی وهم یلعبون افا منوا مکر الله فلایا من مکر الله الا القوم الخاسرون**۔ کیا بستیوں والے اس بات سے امن میں ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر نازل ہو اور وہ لہو و لعب میں مبتلا ہوں۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے نڈر ہو گئے حالانکہ اللہ کی تدبیر سے صرف خسارہ پانے والی قوم بے خوف رہ سکتی ہے۔

شراب نوشی پر تنبیہ

اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب کو خواب غفلت سے جگائے اور آپ کے دل میں نیک بات کی توفیق ڈال دے کہ ایک بزرگ نے "اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے" نے بتایا ہے کہ آپ ان دنوں ایک ایسے فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں جو آخرت کیلئے نہایت خطرناک ہے۔ اسے سنکر میرا دل بہت کڑھا۔ میرے پاس دل دعا، زبانی تنبیہ اور قلمی نصیحت کے سوا کچھ بھی نہیں اسلئے آپ کی حالت پر مہربانی کرنے کیلئے کہ آپ تو اپنے اوپر مہربان نہیں میں حکم دیتا ہوں کہ نشہ ترک کر دیں۔ اگر ظالموں کو روکنا آپ کے لیے مشکل ہے کیونکہ بدکاری اور ظلم آپس میں

مل جائیں تو موت سے پہلے مشکل جاتے ہیں تو اتنا تو ضرور کریں کہ نشہ ترک کر دیں کیونکہ بڑھاپے میں شراب نوشی بہت ہی بری ہے۔

نظام الملکؒ جب بوڑھے ہوگئے تھے تو انہوں نے کبیرہ گناہوں سے توبہ کرلی تھی کہ آئندہ فسق و فجور اور شراب نوشی نہیں کروں گا اور پھر آخری لمحے تک اس توبہ کو نبھایا۔ آپ کا یہ عذر کہ خراسان کا بادشاہ اس بات کیلئے مجبور کرتا ہے عذر لنگ ہے کیونکہ زمین و آسمان کا بادشاہ اس بات کو قبول نہیں کرتا۔

لو صح منك الهوىٰ ارشدت للحيل

اگر تو اپنی خواہش پوری کریگا تو وہ تجھے حیلے سکھائے گی۔

جب آپ اسے ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرلیں تو امید ہے کہ خراسان کا بادشاہ اول تو آپ کی توبہ دیکھ کر خود توبہ کرے گا ورنہ آپ کی توبہ میں دخل اندازی نہیں کرے گا۔ جو دوستی کی شرط تھی وہ میں بجا لایا ہوں۔ **الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقين**۔ متقیوں کے سوا اس دن سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہونگے وصلی اللہ علی محمد و آلہ واجمعین۔

سعادت خاں کے نام خط

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے خزانوں کی چابیاں

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ **وان من شيئ الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم**. ہمارے پاس ہی ہر شے کا خزانہ ہے جس میں ایک متعین مقدار کا

کرتے ہیں۔ تمام بادشاہوں کے خزانوں کی انتہا ہے لیکن الٰہی خزانوں کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کا ایک خزانہ سعادت ہے اور ایک بدبختی۔ اور یہ دونوں خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ ان دونوں کی الگ الگ چابیاں ہیں ایک کو فرمانبرداری کہتے ہیں اور دوسری کو نافرمانی۔ اور یہ دو چابیاں دو غیبی خزانوں میں ہیں جن میں سے ایک کو توفیق اور دوسرے کو رسوائی کہتے ہیں اور یہ دونوں دو اور غیبی خزانوں یعنی رضا اور ناراضگی میں ہیں۔ جنہیں صدیقین اور علمائے حقہ کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔ عبارت میں یہ بات ٹھیک طرح سے ادا نہیں ہو سکتی کیونکہ علماء اور صدیق کوئی نتیجہ برآمد نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی عبادت بھی قاصر ہے۔ ایک کی تعبیر یوں ہے۔ **ان الذین سبقت هم منا الحسنى**۔ وہ لوگ جنھیں ہماری طرف سے نیکی پہلے پہنچ چکی ہے۔ اور دوسرے خزانے کی تعبیر یوں ہے۔ **لقد حق القول علی اکثرهم**۔ اکثر پر قول حق پورا ہو چکا ہے۔ ان آیتوں میں قضاو قدر کے اسرار رکھے گئے ہیں جیسے معراج میں یوں کہا جاتا ہے کہ صم بکم بن جا اور زبان کو محفوظ رکھ۔ تقدیر ایک الٰہی راز ہے اسے ظاہر نہ کرنا۔ یہ ایک ایسا خزانہ ہے جو تمام خزانوں کا مصدر و منبع ہے اس کی تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ خود نبی محترم ﷺ نے ایسے موقع پر فرمایا ہے کہ "**اعوذ بعفوك من عقابك**" تیرے عذاب سے تیرے عفو کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر اس مقام سے آگے ترقی کرنے پر فرمایا۔ "**اعوذ برضاك من سخطك**" تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس سے بھی ترقی کرنے پر فرمایا "**اعوذبك منك**" میں تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں۔ اس سے بھی آگے ترقی کرنی چاہی تو رستہ حجاب عزت سے بند دیکھا اور فرمایا "**لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك**" (میں تجھ سے تیری ہی

پناہ مانگتا ہوں۔ اس سے بھی آگے ترقی کرنی چاہی تو رستہ حجاب عزت سے بند دیکھا اور فرمایا۔ "**لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك**" میں تیری ایسی تعریف نہیں کر سکتا جیسی تو نے خود اپنی تعریف بیان کی ہے۔

اعوذ برضاك من سخطك کے مقام تک علماء ترقی کر سکتے ہیں لیکن **اعوذبك منك** پر صرف انبیاء پہنچ پاتے ہیں۔ اس سے آگے وہ مقام ہے جس کی طرف نہ علماء ترقی کر سکتے ہیں نہ انبیاء صدیق اور انبیاء جب اس مقام تک پہنچتے ہیں تو سوائے دہشت اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ سب عاجز ہو کر شوق و عشق کی آگ میں جلتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ حضور ﷺ اپنے عجز کا اظہار یوں کرتے ہیں۔ **لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك**۔ صدیقوں کے سردار اپنے عجز کے اندوہ اور دولت کی خوشی کو ملا کر یہ الفاظ ادا کرتے ہیں۔ **العجز عن درك الادراك ادراك**۔ ادراک سے جاننے سے عاجزی کا اظہار ہی ادراک ہے۔ کبھی عجز کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی اس بات کی خوشی منائی جاتی ہے کہ ادراک سے عاجز آ جانا ہی ادراک ہے۔

الٰہی خزانوں اور ان کے دیکھنے والوں کا یہ حال ہے اس کے مقابلہ میں دنیاوی بادشاہوں کے خزانے دوزخ کی چابی ہیں۔ درہم و دینار کے غلاموں کیلئے ہلاکت ہے۔ روز قیامت منادی ہوگی دوزخ کی چابیوں کا گچھا لاؤ اگر اس وقت سعادتمندوں میں نام نکلا تو خیر ورنہ یاد رکھو کہ وہاں نہ خراساں کا بادشاہ فریادرسی کر سکے گا اور نہ وزیر خراسان دستگیری کر سکے گا۔ کیونکہ انہیں خود ہزاروں دستگیروں کی ضرورت ہوگی۔ والسلام

ایک رئیس کی طرف تحریر کردہ خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدقہ اور شفا کا باہمی تعلق

طبیبوں کی کوتاہی کی وجہ سے جو تکلیف ہوتی ہے اس وجہ سے دل متفکر ہے۔ واضح رہے کہ جس نے بیماری بھیجی ہے اس نے دوا بھی ساتھ بنائی ہے لیکن لوگ سمجھتے ہیں کہ عطار کی دکان سے دوا لا کر استعمال کرنے سے آرام حاصل ہوتا ہے۔ مگر ایسا خیال کرنا سراسر غلطی ہے۔ کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بیمار کو طبیب کے اختیار کرنے میں الہام ہوتا ہے پھر طبیب کو دوا کے اختیار میں الہام ہوتا ہے۔ تب کہیں جا کر طبیب خاص قسم کی دوا اس کی مقدار اور وقت استعمال ٹھیک ٹھیک تجویز کرتا ہے اور ان تمام باتوں میں بعض اوقات غلطی بھی درست معلوم ہوتی ہے۔ مریض اور طبیب کو الہام ہونا اور دواؤں کا عطاروں کی دکان سے ملنا۔ اس چیز کی چابیاں فرشتوں کے خزانوں میں آسمانی بادشاہت کے اندر محفوظ ہیں۔ کیونکہ مختلف کاموں میں جو مخلوق کیلئے بہتری ہوتی ہے۔ وہ فرشتوں کے خزانوں سے میسر ہوتی ہے۔ **وما کان لبشران یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب**...... (الخ) کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اللہ اسکے ساتھ کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے۔ اور یہ الہام اللہ کے دوستوں کی دعاؤں سے ملتا ہے کیونکہ ان کی دعائیں جس چیز کیلئے ہوتی ہیں، اسباب فرشتوں کی طرف سے میسر ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر شے کا خزانہ ہے جس میں سے ایک متعین و معلوم مقدار عنایت کی جاتی ہے۔ اہل اللہ کی دعا اور توجہ احسان

اور صدقہ کے ذریعے میسر آتی ہے اور ان کی دعاؤں کے طفیل ملکوت کے خزانوں سے فیضان ہدایت مریض اور طبیب کے دلوں میں جاری ہوتا ہے اور پھر وہ دوا باعث شفا بنتی ہے۔ **"داووا مرضاکم بصدقة"** اپنے مریضوں کا علاج صدقہ کے ذریعے کرو۔ کا بھید بھی یہی ہے۔ یہ بات کہ فرشتوں کی حرکات بزرگوں کی دعاؤں سے کیسے ہو سکتی ہیں اور ارواح اور روحانیت میں کیا مناسبت ہے کیونکہ امداد کی صورت فرشتوں کے ذریعے ہی ہے۔ تو یہ بھی ایک بھید ہے جسے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں صرف اسقدر سمجھ لینا چاہیے کہ ارواح اور روحانیت باہم متناسب ہیں۔ **ویسئلونك عن الروح قل الروح من امرربی**۔ آپ سے اگر روح کے بارے دریافت کریں تو فرما دیجئے کہ یہ امر ربی ہے۔ اللہ ہی آمر و خالق ہے اور عالم امر عالم خلق سے الگ ہے جہان میں کوئی اس قسم کے علوم کو طلب نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی اس قابل ہے۔

مقصود یہ ہے کہ صدقہ کے ذریعے دعا سے شفا کا تعلق معلوم ہو جائے۔ اس لیے فرمایا کہ۔ **الدعاء یرد البلاء والدعاء والبلاء یتعالجان.** دعا سے مصیبت ٹل جاتی ہے اور دعا و بلا آپس میں جھگڑتی ہیں۔

دعائیں اگر بہت سے لوگوں کی طرف سے ہوں تو اکثر قبول ہو جاتی ہیں۔ نماز استقاء اور باجماعت نماز کا بھید یہی ہے۔ علوم طبعیہ کا ماہر کہتا ہے کہ جو مرض گرمی کے باعث پیدا ہوا ہو اسکے زائل کرنے کیلئے سردی درکار ہے۔ اسلئے صدقہ کا دفع مرض سے کیا تعلق؟ اس کی بات کسی حد تک ٹھیک ہے کیونکہ طبیعات کا علم درست ہے لیکن اس کے ماہر کی تیز نگاہ صرف طبیعت تک پہنچتی ہے مگر اس ہستی تک پہنچنے سے قاصر ہے جس کے ماتحت طبیعت اور مستعمل طبیعت ہے۔ اس کی مثال اس چیونٹی کی سی ہے جو کاغذ پر لکیر پڑتے دیکھ کر خیال کرتی ہے کہ یہ لکیر قلم

کی حرکت کا نتیجہ ہے کیونکہ اس کی نگاہ کاتب کا ہاتھ دیکھنے سے قاصر ہے۔ اور اس کی بصیرت اس بات سے قاصر ہے کہ کاتب کا دل دیکھے جو ہاتھ کا مُحرک ہے۔ اسے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ کاتب کے دل کو کیسے شکار کر سکتے ہیں کہ اس سے اپنی مرضی سے کام لیں۔ طبیعت قلم کی طرح، فرشتے انگلیوں کی طرح اور بڑا فرشتہ ہاتھ کی طرح ہے اور ان کا مالک کوئی اور ہے۔ وہ جبار ہے اور واحد ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ قلوب المؤمنين بين اصبعين من اصابع الرحمن ۔ مومنوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ جدھر چاہے پلٹا دے۔

آدم کی صورت رب تعالیٰ کی صورت کی مثال ہے جیسا کہ فان الله تعالى خلق آدم على صورته ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ اور "من عرف نفسه فقد عَرَفَ ربه" جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا، سے ظاہر ہے۔ جس طرح دل، ہاتھ اور انگلیاں قلم سے اوپر ہیں اسی طرح پیدائش کے جملہ اسباب طبیعت سے اوپر ہیں اور طبیعت سب سے نیچے ہے۔ بصیرت ایسی ہونی چاہیے جو نیچے سے اوپر ترقی کرے۔ تمام مخلوق کی نگاہیں طبیعت یا جسم تک رہتی ہیں حالانکہ انسان عالم روحانیت سے آیا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم ثم رددناه اسفل سافلين۔ ہم نے انسان کو سب سے عمدہ شکل میں پیدا کیا پھر اسے اسفل ترین درجہ کی طرف بھیج دیا۔ پس تمام امراض میں عالم روحانیت سے مدد مانگنی چاہیے وہ عالم اعلیٰ ہے۔ اس عالم تک مال و جاہ کے بازوؤں سے نہیں پہنچ سکتے بلکہ ہمت اور دعا کے بازو سے پہنچ سکتے ہیں۔ اليه يصعد الكلم الطيب ان کی طرف پاک کلمات بلند ہوتے ہیں۔ ان دعاؤں کو اٹھا کر لیجانا عمل بالاخلاص کے ذریعے ممکن ہے و العمل الصالح يرفعه ۔ عمل صالح اسے اوپر لیجاتا ہے۔

بے نمازیوں اور ٹکر گداؤں کو مکان کے دروازے پر جمع کر کے گوشت روٹی کھلانا صدقہ نہیں کیونکہ ایسا کرنا صرف چبوترے والے بازاری لوگوں کی خواہشات کو جوش میں لانا ہے۔ اہل دین کے لیے بہتر ہے کہ اپنی چیز شیطان اور شیطانی کاموں میں صرف کرنے کے بجائے اپنے استعمال میں لائیں یا ایسے لوگوں کو دیں جو دینی کاموں میں مشغول ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسے صالح آدمیوں کو دیں جو تنگ دستوں کو دیکر دعا کروائیں تاکہ ظاہر و باطن کا بہتر علاج ہو سکے۔ طبیب آسمانی الہام اور تائید سے مشکل بیماری کا علاج کر سکتا ہے متردد طبیب کے پاس آسمانی الہام کے بغیر علاج ممکن نہیں اور جاہل طبیبوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ کسی حاذق طبیب کے قول پر اعتبار کرنا چاہیے۔ جو بیماری کی شناخت اور مناسب علاج کر سکے۔ والسلام

ارکان سلطنت کی طرف تحریر کردہ خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره و من يعمل مثقال ذرة شرا يره۔ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے اس کا اجر ملیگا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ مل جائے گا۔ انسان پر کوئی جبر نہیں کہ خاموش رہے یا بولے سخاوت کرے یا بخل کرے۔ یا تو وہ سعادتوں کے جزائے جمع کرتا ہے یا بدبختی کا بیج ہوتا ہے۔ وہ اسے چیز سے غافل ہے لیکن فرشتے ہر چیز لکھتے رہتے ہیں۔ اور محفوظ رکھتے ہیں۔ احصاه الله و نسوه. جب اس جہان سے رخصت ہوتا ہے تو اس

کی عمر کا دفتر شروع سے لیکر اخیر تک ایک لحظہ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ **یوم تجد کل نفس عملت من خیر محضرا**۔ اس دن ہر شخص کے سامنے اس کی نیکی پیش کی جائے گی۔ تب نیکیاں ایک پلڑے میں اور برائیاں دوسرے پلڑے میں رکھی جائیں گی۔ اس وقت ڈر اور خوف کے مارے اس کی عقل چکرا جائے گی اور متردد ہوگا کہ کونسا پلڑا جھکتا ہے۔ **فاما من ثقلت موازینه فهوفی عیشة راضیة واما من خفت موازینه فَاُمّهٗ هاویة**۔ جس کا نیکیوں والا پلڑا جھک جائے گا وہ عیش و عشرت میں ہوگا اور جس کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

مال کے خرچ کی بھی یہی صورت ہے کہ جو کچھ حرص و ہوا کی خاطر خرچ کیا جائے گا۔ وہ برائی کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے خرچ کیا جائے گا وہ نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اگر مال کا اکثر حصہ نیک کاموں میں صرف کیا ہوگا تو نجات پا جائے گا ورنہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس خطرے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سرخرو ہو گئے کہ آپ نے اپنا سارا مال جناب سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ تب آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا ہے۔ عرض کی اللہ اور اس کا رسول۔ کیونکہ آپ کے ذہن میں حضورؐ کا فرمان تھا کہ "**هلك الاکثرون الا من قال بالمال هکذاوهکذا وهکذا**" اکثر لوگ ہلاک ہو جائیں گے سوائے ان کے جنہوں نے اپنا مال راہ خدا میں صرف کیا۔ چونکہ انسان طبیعت میں بخل و کنجوسی قدرتی امر ہے۔ صرف کرنے کو جی نہیں چاہتا اسلیئے اگر صرف کیا بھی جائے تو مستحقوں میں کہ اس کا ثواب دگنا ہے۔ ممکن ہے قیامت کے دن ایک درہم ہزار دراہم پر غالب ہو اور یہ وہ درہم ہے جو اہل دین اور علماء کو دیا جائے۔ حلال کی کمائی ہو اور خوش دل

سے بغیر احسان جتلائے دیا جائے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **ولاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی**۔ اپنے صدقات احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر باطل نہ کرو۔ والسلام

مغرب کے قاضیوں کے نام تحریر کردہ خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العلمین والعاقبة للمتقین ولاعدوان الا علی الظالمین والصلوة علی سید المرسلین وآله اجمعین.

میرے اور شیخ اجل، سدید الدین، معتمد الملک، امین الدولہ (اللہ تعالیٰ اس کی نگہبانی کرے) کے بیٹے قاضی جلیل امام مردان (اللہ تعالیٰ اسکی توفیق اور حسن اعتقاد کو زیادہ کرے) کے ذریعے قرابت داری جیسے تعلقات پیدا ہو گئے ہیں جو ہمیشگی اور دوام کا تقاضا کرتے ہیں میرے پاس اس کے لیے سب سے اچھا صلہ نصیحت ہے کیونکہ علماء کا ہدیہ نصیحت ہی ہوا کرتی ہے اور اس تحفے کا لطف جب ہے کہ جسے یہ تحفہ بھیجا جائے وہ اسے دنیاوی تاریکیوں سے فارغ دل کیساتھ سنے اور قبول کرے۔ اور میں یہ بات باور کرانا چاہتا ہوں کہ جب انسانی گروہ صاحب دین کے ہاں تمیز کئے جائیں تو وہ سب سے زیادہ عقلمند لوگوں کے گروہ میں ہو۔

جناب رسالت مآب ﷺ سے پوچھا گیا کہ آدمیوں میں سے سب سے معزز کون ہے؟ فرمایا جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ پھر پوچھا سب سے عقلمند

کون ہے؟ فرمایا جو موت کو اکثر یاد کرتا ہے اور اسکے لیے بڑے زور و شور کیساتھ تیاری کرتا ہے۔ نیز آپ کا فرمان ہے۔ الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله۔ عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع کیا اور آخرت کیلئے عمل کیا اور احمق وہ شخص ہے جس نے اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ سے نیک اجر کی امید رکھی۔

سب سے جاہل وہ شخص ہے جو دنیاوی امور میں جو کہ موت کے وقت حقیر معلوم ہوتے ہیں، مشغول رہے اور اسے کبھی خیال نہ آئے کہ معلوم تو کروں کہ آیا میں جنتی ہوں یا دوزخی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ نیک لوگ بہشت میں ہونگے اور بد دوزخ میں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ۔ فاما من طغى و آثر الحيوة الدنيا فان الجحيم هي الماوى واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى. جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی تو جہنم اس کا ٹھکانا ہے اور جو اپنے رب کے مقام سے ڈرا اور خواہش نفس سے رک گیا تو جنت اس کا ٹھکانا ہے۔ مزید فرمایا۔ من كان يريد الحيوة الدنيا و زينتها نوف اليهم اعمالهم فيها وهم فيهالا يبخسون اولئك الذين ليس لهم في الاخرة الا النار وحبط ما صنعوا فيها وباطل ما كانوا يعملون۔ جو شخص دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتا ہے۔ ہم دنیا مین اسکے اعمال کی جزا پوری پوری دیتے ہیں اور اس میں خسارہ نہیں ہوتا۔ لیکن ایسے لوگوں کیلئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور ان کے اعمال کا اجر کچھ نہیں ہوگا وہ سب باطل و رائگاں جائیں گے۔

خود احتسابی

میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ انسان اپنی ہمتوں کو مجتمع رکھے اور پیشتر اسکے کہ اس کا محاسبہ کیا جائے اور اسکے ظاہر وباطن افعال واقوال اور نیتوں کو ظاہر کیا جائے، خود ہی اپنا محاسبہ کر لے اور دیکھے کہ کیا اپنی ساری ہمت اس چیز پر صرف کر رہا ہے جس سے قرب الٰہی اور سعادت ابدی نصیب ہوتی ہے یا ایسی چیز پر صرف کر رہا ہے جو اسکی دنیا کو آباد کرتی ہے اور بظاہر اسکی اصلاح ہوتی ہے لیکن حقیقتاً کدورتوں سے پر اور تفکرات سے بھرپور پریشانی ہوتی ہے اور نعوذ باللہ جس سے شقاوت ابدی حاصل ہوتی ہے۔ پھر بصیرت کی آنکھیں کھول کر دیکھے کہ میرے نفس نے آخرت کیلئے کیا تیار کر رکھا ہے۔ یہ بات اچھی طرح جان لے کہ اپنے سوا اپنے نفس کا نہ کوئی خیر خواہ ہوتا ہے نہ ہی محافظ۔ اور عبرت کیلئے غور کرنا کافی ہے اگر وہ زمین آباد کرنیکی خواہش رکھتا ہے تو دیکھے کہ کتنے ایسے گاؤں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ملیامیٹ کر دیا ہے اور آباد ہونے کے بعد اپنی چھتوں پر ملیامیٹ گرے پڑے ہیں اور اگر کنواں یا نہر بنانا چاہتا ہے تو سوچ لے کہ کتنے کنویں بیکار پڑے ہیں جو نہایت مضبوطی سے تعمیر کیے گئے تھے۔ اور کئی ایسی عمارتیں جن کی بنیادیں انتہائی مضبوط تھیں اپنے رہنے سہنے والوں کے بعد کھنڈرات ہو گئی ہیں اگر باغ یا باغیچے لگانے کی فکر ہے تو دیکھے کہ موجودہ باغوں کے لگوانے والے جوان میں مزے اڑایا کرتے تھے کس قدر باغ، چشمے، کھیت اور عمدہ مقامات چھوڑ گئے ہیں اور ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اور لوگوں کو ان پر قابض کیا۔ ان پر آسمان و زمین بھی نہیں روئے اور نہ انہیں مہلت دی گئی جوان کو دیکھنے والے تھے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے اس قول کو پڑھے۔ افرأيت ان متعناهم سنين ثم جاء هم ما كانوا

یوعدون ماأغنى عنهم ما كانوا يمتعون۔ کیا تم نے دیکھا ہے کہ ہم نے انہیں کئی سال فائدہ دیا پھر جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا آپہنچی تب وہ جس چیز سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے انہیں کام نہ دیگی۔

اگر (العیاذ باللہ) بادشاہ بننے کی دھن سوار ہے تو یہ حدیث شریف پڑھے اور غور کرے۔ الامراء والروساء تحشرون يوم القيامة في صور الذر تحت اقدام الناس يطوؤهم باقدامهم۔ امیروں اور رئیسوں کا حشر قیامت کے دن لوگوں کے قدموں تلے چھوٹی چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا اور وہ انہیں پاؤں تلے روندیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے متکبر اور جبار لوگوں کے لیے جو فرمایا ہے پڑھے اور حضور ﷺ کی اس حدیث پر غور کرے۔ ذئبان ضاريان ارسلافي ذرية غنم باكثر فساد من حب الشرف والمال في دين الرّجل المسلم. مال و مرتبہ کی محبت ایک دیندار مسلمان کو جس قدر نقصان پہنچاتی ہے اسقدر نقصان دو خونخوار بھیڑیئے بھیڑوں کے بچوں کے گلہ کو نہیں پہنچا سکتے۔

اگر انسان حصول مال اور خزانہ جمع کرنے کی فکر میں ہو تو حضرت عیسیٰ کا قول یاد رکھے جو انہوں نے اپنے حواریوں کو فرمایا کہ غنی دنیا میں خوش رہتا ہے لیکن آخرت میں اسے نقصان پہنچتا ہے۔ بخدا! امیر لوگ آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہونگے۔

دولت مندوں کے فرقے

حضور ﷺ کا فرمان ہے قیامت کے دن دولتمند چار فرقوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔ بعض ایسے ہونگے جنہوں نے جائز مال جمع کیا اور جائز طور پر خرچ کیا۔ ان کے بارے کہا جائے گا کہ اسے کھڑا کر کے پوچھو کہ اس نے دولتمندی

کے باعث کسی فرض کو ضائع تو نہیں کیا۔ نماز، روزہ، وضو، رکوع، سجود اور خشوع میں کمی تو نہیں کی یا زکوٰۃ اور حج میں کوتاہی تو نہیں کی۔ جب وہ کہے گا کہ میں نے مال جائز طور پر جمع کیا اور فرائض کما حقہ ادا کیے ہیں تو پھر کہا جائے گا کہ اپنے متعلقین کے بارے کسی قسم کی سستی کی ہو۔ پڑوسیوں، مساکین کے حقوق میں تقدیم و تاخیر یا کمی بیشی تو نہیں کی۔ اس وقت سب کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سامنے تو نے اسے غنی بنایا اور ہمیں محتاج انہوں نے ہماری کوئی حاجت پوری نہیں کی۔ اس وقت اگر ان سے کوئی کوتاہی سرزد ہوگئی ہوگی تو سیدھے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور اگر نہیں ہوئی ہوگی تو کہا جائے گا کہ ٹھہر جاؤ اور وہ شکریہ لاؤ جو تم نے ہر ایک لقمے، کھانے اور لذت کا ادا کیا تھا۔

اسی طرح اس سے سوالات کیے جاتے رہیں گے یہ ان دولتمندوں کا حال ہے جو پرہیزگار اور حقوق ادا کرنے والے ہونگے میدان قیامت میں حساب کیلئے انہیں دیر تک ٹھہرایا جائے گا۔ جب ایسے لوگوں کی یہ حالت ہے تو پھر سب لوگوں کی کیا حالت ہوگی جو افراط سے کام لیتے ہیں اور شبہات اور گناہوں میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ اور اپنی نفسانی خواہشات پر مرمٹتے ہیں۔ جن کے بارے میں کہا گیا ہے۔ اَلْهٰكُمُ التكاثر حتى زرتم المقابر كلاسوف تعلمون کثرت (مال و اولاد) نے تمہیں غافل رکھا حتی کہ تم نے قبریں دیکھ لیں پس عنقریب تم جان جاؤ گے۔

دل کی بیماریوں کا علاج

ان مطالب فاسدہ نے لوگوں پر غلبہ پاکر شیطان کا غلام اور چیلا بنا رکھا ہے۔ اس لیے آپ اور ہر اس شخص کیلئے جو نفس کی مخالفت پر کمربستہ ہے ضروری ہے کہ اس مرض کا علاج سیکھئے جو لوگوں کے دلوں میں ہے۔ دلوں کی بیماری کا

علاج بدنی امراض سے زیادہ ضروری اور مشکل ہے۔ اور سوائے اس شخص کے کوئی نجات نہیں پاسکتا جو اپنا دل سلامت لایا ہو۔

دل کی بیماری کے دو علاج ہیں ایک یہ کہ موت کو ہمیشہ یاد رکھے اور عبرت پکڑے۔ دنیاداروں اور بادشاہوں کے انجام کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے کہ کس طرح انہوں نے مال جمع کیا اور محلوں میں راتیں بسر کیں۔ دنیا میں خوش و خرم رہے اور پھر ان کے محل قبریں بنے اور سب کے سب ملیامیٹ ہو گئے اور تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ **اولم یبدلهم کم اهلکنا من قبلهم من القرون یمشون فی مساکنهم . ان فی ذالك لآیات افلایسمعون .** کیا ان پر یہ بات ظاہر نہیں کر دی گئی کہ تم سے قبل کتنی بستیوں کو تباہ کیا جو اپنے گھروں میں گھومتی پھرتی تھیں اس میں واقعی علامتیں ہیں کیا وہ نہیں سنتے۔ ان کے محل، املاک اور رہنے سہنے کے مقامات اگرچہ خاموش ہیں لیکن زبان حال سے اپنے بنانے والے کے غرور کو بیان کر رہے ہیں۔ ان کو دیکھو کیا ان میں سے کوئی درست ہے یا بنانے والوں کی کوئی آہٹ ہے؟

دل کی بیماری کا دوسرا علاج کتاب الٰہی میں سوچ بچار کرنا ہے کیونکہ وہ اہل عالم کیلئے شفا اور حمت ہے۔ حضور ﷺ نے ان دو واعظوں کی ملازمت کیلئے ان الفاظ میں وصیت فرمائی ہے۔ **ترکت فیکم واعظین صامتاً و ناطقاً**۔ میں نے تم میں دو واعظ چھوڑے ہیں ایک خاموش یعنی موت اور دوسرا ناطق یعنی قرآن مجید۔ بہت سے لوگ قرآن مجید کی طرف سے مردہ ہیں اگرچہ بظاہر زندہ ہیں گونگے ہیں اگرچہ وہ قرآن پڑھتے ہیں۔ بہرے ہیں اگرچہ ان کے کان قرآن مجید سنتے ہیں، اسکے عجائبات سے اندھے ہیں اگرچہ اسکے مصاحف کو دیکھتے ہیں اور اسکے اسرار و معانی سے بے خبر ہیں اگرچہ اس کی مختلف تفسیروں کا مطالعہ کرتے

ہیں۔ تم ایسے لوگوں میں شامل ہونے سے بچو اور اپنے کام کی تدبیر کر لو۔ یاد رکھو جو اپنے کام کی تدبیر نہیں سوچتا وہ آخر کار ندامت اور حسرت کا شکار ہوتا ہے۔ اپنے کام کی دیکھ بھال کر لو۔ ایسے شخص کو جس نے اپنے کام کی دیکھ بھال نہ کی دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ مرتے وقت اس نے کیسی ندامت و حسرت اٹھائی۔ کتاب الٰہی کی ہر آیت میں ہر صاحب بصیرت کیلئے عبرت و نصیحت ہے۔

خبردار! تمہارے اموال و اولاد تمہیں یاد الٰہی سے روکنے نہ پائیں کیونکہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ نقصان اٹھاتے ہیں۔

خبردار! کبھی بھول کر بھی مال جمع نہ کرنا۔ اگرچہ اس کو جمع کر کے تمہیں خوشی ہوگی لیکن اس کی وجہ سے تم آخرت کے کام بھول جاؤ گے اور تلاوت ایمانی تمہارے دل سے جاتی رہے گی۔

چنانچہ جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ **لاتنظروا الی اموال الدنیا فان بریق اموالهم یذهب حلاوة ایمانکم.** اہل دنیا کے اموال کی طرف نہ دیکھو کیونکہ ان کے مال کی چمک تمہارے ایمان کی حلاوت کو ختم کر دے گی۔ یہ صرف دیکھنے کا نتیجہ ہے اس سے اندازہ لگاؤ کہ مال کو جمع کرنے، سرکشی اور سرشاری کا نتیجہ کیا ہوگا۔

قاضی جلیل امام مردان (اللہ تعالیٰ اس جیسے اہل علم بکثرت پیدا کرے) آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس میں علم و تقویٰ دونوں فضیلتیں موجود ہیں لیکن دائمی طور پر ان کا رہنا ضروری ہے۔ اور یہ انجام دہی اسی وقت ہو سکتی ہے کہ آپ ضروریات میں اسکی مدد کریں تاکہ وہ اور بھی ان میں کامل ہو۔ ایسے شریف انسان کو ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ الٰہی بنانا ضروری ہے اسلیئے مناسب یہی ہے کہ آپ اسے ضروریات سے فارغ کر دیں تاکہ وہ عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔ اور خدا کے

رستے سے نہ پھرنے پائے۔ راہ خدا سے مراد حلال کا طلب کرنا اور صرف اتنے مال پر قناعت کرنا ہے جو عبادت کیلئے قوت دے سکے۔ دنیاداروں کے ارادوں سے جو محض شیطانی دھوکے کی ٹٹی ہیں الگ رہنا ہے اور ایسی باتیں اسی صورت نصیب ہو سکتی ہیں جب امراء اور سلاطین کے میل جول سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ **الفقهاء امناء الله تعالىٰ مالم يدخلوا فى الدنيا اذا دخلوا فيها فاغواهم علىٰ دينكم.** فقہاء اللہ تعالیٰ کے امین ہوتے ہیں یہ دنیا میں داخل نہیں ہوتے پس اگر داخل ہو جائیں تو تمہارے دین سے تمہیں گمراہ کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان امور کی رہنمائی بھی کی ہے اور ان کی ادائیگی آپ لوگوں کیلئے آسان کر دی ہے۔ اسلئے آپ کیلئے ضروری ہے کہ رضا و دعا سے اسکی مدد کریں کیونکہ والد کی دعا ایک بڑا ذخیرہ اور دنیا و آخرت کی تیاری کیلئے مفید ہے۔ اور آپ بھی دنیا سے گریز کرنے میں اس کا اتباع کریں۔ کیونکہ بیٹا اگرچہ شاخ ہوتی ہے لیکن بسا اوقات کثرت عمل کی وجہ سے جڑ بن جاتی ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے فرمایا تھا کہ جو علم مجھے حاصل ہوا ہے وہ ابھی تجھے حاصل نہیں ہوا۔ اس لیے تو میری پیروی کر تا کہ میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں۔ آپ لوگ بھی اس بات کی کوشش کریں کہ اپنے جگر گوشہ کی عزت افزائی سے قیامت میں کمی کو پورا کر سکیں کیونکہ آخرت میں اہل دنیا کو اس بات کی بڑی حسرت ہو گی کہ کوئی ایسا ہو جو آج ان کیلئے شفاعت اور حمایت کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ **فليس له اليوم ههنا حميم** ۔ آج کے دن یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی التجا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی نظروں میں اس دنیا کی عزت و منزلت کم اور دین کی زیادہ کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

بھی دنیا کی نسبت دین کی قدر و منزلت زیادہ ہے۔ اور ہمیں اور آپ کو ان چیزوں کی توفیق عطا فرمائے جن میں اسکی رضامندی ہے اور اپنے فضل و کرم سے آپ کو فردوس اعلیٰ اور بہشت بریں میں پہنچائے۔ والسلام۔

نوٹ : میں نے سنا ہے کہ قاضی مردان دارالسلام میں اس لیے آیا تھا کہ اپنے باپ کی طرف سے قاضی بننے کیلئے دارالخلافہ سے حکم حاصل کرے۔ امام غزالیؒ ان دنوں مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔ ان کے اثر و رسوخ کو اس نے وسیلہ بنایا۔ امام صاحب نے اس کی سفارش کی تو امامی نبوی نے کہا کہ جب تک کسی شخص کے حالات کے بارے علم نہیں ہوتا عہدۂ قضا نہیں دیا جا سکتا البتہ امام صاحب کی سفارش پر ایسے کر سکتے ہیں۔ قاضی مردان نے یہ حکم حاصل کر کے باپ کے حق کی ادائیگی کی اور امام صاحب سے التجا کی کہ میرے والد کی طرف ان حالات کے بارے مفصل خط لکھیں۔ آپ نے فرمایا اگر اصل حالات لکھتا ہوں تو دارالخلافہ میں اس پر چہ میگویاں ہونگی۔ اسلئے مختصر اخط تحریر فرمایا۔ مکتوب الیہ خط پڑھ کر اصل حال سے واقف ہوا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگا کہ عہدۂ قضا مجھے نہیں دیا گیا۔

باب چہارم

فقہاء اور ائمہ دین کی طرف خطوط

خواجہ امام احمد عباسی کی طرف خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب سرور کائنات ﷺ نے دو احکام میں نصیحتوں کی اصلیت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ جو شخص آپؐ سے نصیحت کیلئے درخواست کرتا۔ آپؐ فرماتے۔ قل ربی اللہ ثم استقم. کہو کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور پھر اس پر قائم رہو۔

ربی اللہ کی حقیقت

ربی اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی نیستی کو دیکھے اور حق تعالیٰ کی ہستی کو غالب سمجھے۔ ماسویٰ اللہ کو نیست جانے تاکہ ہستی نیستی معلوم ہو۔ وجود کی کلیت محض اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ جس قدر ماسوا سے قطع تعلق کرے گا اتنا ہی حق تعالیٰ کے وجود کو مانے گا حتی کہ اپنی ہستی کو بھی بھول جائے اور کسی چیز پر بھروسہ نہ کرے۔

استقامت کی تعریف

رہا "استقم" تو یہ تین طرح سے ہے۔ دل میں استقامت، دل کے اخلاق و صفات اور اعضا میں استقامت۔ اعضاء کی استقامت کا مطلب یہ ہے کہ

انسان کی تمام حرکات وسکنات سنت نبویؐ کے مطابق ہوں۔ اخلاق میں استقامت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی مرضی سے خواہشات نفسانی کا اظہار نہ کرے بلکہ دین کے اشارہ سے حکم الٰہی کے مطابق اعضا کو حرکت دے اور اس بات کا منتظر رہے کہ خواہشات، ان کی مقدار، وقت اور کیفیت پر غور کرے کہ کون سی خواہش کس وقت بہتر ہے اور پھر عقل کے مطابق ان سے کام لے۔ خواہش کی کیفیت یہ ہے کہ جب کوئی خواہش پیش آتی ہے تو طبیعت یہ بہانہ کرتی ہے کہ ایک دفعہ اس کو پورا کرلوں پھر رک جاؤں گی۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان نفس کو کہہ دے کہ اس مرتبہ آرام کر۔ اگلی مرتبہ یہ خواہش پوری کردوں گا۔ جب دوسری دفعہ یہی خواہش پیدا ہو تو پھر یہی چال چلے۔ جس طرح نفس دھوکا دے تو بھی اسے اسی طرح دھوکے میں رکھو۔

دل کی استقامت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذکر حق کی قرار گاہ بنے اور انسان اس بات کا خیال رکھے کہ دل میں ذکر الٰہی کے بغیر اور کوئی خیال نہ آئے۔ اگر کوئی خیال آئے بھی تو اسے دل کے اردگرد ہی رکھے اندر جاگزین نہ ہونے دے۔ دل کے اندرونی حصے کو ذکر الٰہی کے لیے وقف کردے اور باقی خیالات دل کے بیرونی حصے میں رہیں ذکر الٰہی کے سوا کسی کو مکمل طور پر دل میں جگہ نہ دے۔ جب خیالات کا ٹڈی دل لشکر حملہ آور ہو تو دل کو یاد الٰہی میں مشغول کرلے۔ جیسا کہ "واذکر ربك اذا نسیت" جب تو بھول جائے تو یاد الٰہی میں مشغول ہو اس سے ظاہر ہے جب عام امور پر ذکر الٰہی غالب ہو تو خواہشات پر بھی غالب آجاتا ہے۔ اس طرح انسانی حرکات وسکنات سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہو جاتی ہیں اور نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جانے کے وجہ سے معافی اور نجات کا مستحق ہو کر ہمیشہ کے لیے مصیبتوں سے بچ جاتا ہے۔

ابو الحسن مسعود بن محمد بن غانم کے خط کے جواب میں تحریر کردہ خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلاں شخص (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے اور نیکی کی توفیق بخشے) کریم النفس اور حصول علم کا شائق ہے۔ اسے دیکھے ہوئے اور اس کے ساتھ خط و کتابت کیے ہوئے کافی عرصہ بیت گیا تھا اور یہ یقیناً آپ کی ذات ہے۔ گذشتہ تمام سفروں میں ہمیشہ آپ کی طرف دھیان رہتا تھا اور میں خوشخبری سننے کے انتظار میں تھا۔ تحصیل علم میں جو کامیابی آپ نے حاصل کی اور جو اقبال مندی آپ کے حصے میں آئی اس بات کی شاہد ہے کہ آپ ہمیشہ کامیاب رہیں گے۔ اور انشاء اللہ منزل مقصود تک پہنچیں گے۔ آپ کی عقلمندی اور ذہانت دیکھ کر میں تاڑ گیا تھا کہ آپ متین، دیانتدار اور نیک فطرت کے مالک ہونگے، امور میں استقامت اختیار کریں گے اور سوائے دینی کاموں کے کوئی اور کام نہیں کریں گے۔ کیونکہ کام کے آغاز سے ہی انجام کا پتہ چل جاتا ہے چونکہ آپ نے علم فقہ اور ادب میں پختگی حاصل کرلی ہے اور کسی ایک جگہ پر رک جانا عاجزوں کا کام ہے اسلیئے مناسب ہے کہ ان علوم سے اعلیٰ علوم حاصل کریں جو آخرت کی طرف لیجاتے ہیں۔

واضح رہے کہ مذہبی علوم کا ماحصل وہ قوانین اور قواعد ہیں جو عوام و خواص کے مابین جاری ہوتے ہیں۔ خصوصاً اس وقت جب وہ خواہشات نفسانی، جہالت، جھگڑوں اور دنیاوی لذات کے حصول میں محو ہوں۔ ایسے علم کو اس علم سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے جس کا پھل اسرار ربوبیت کی معرفت ہو۔ علم خلافی کا

ماحصل ظنی ڈھکوسلے اور نفرت ہے۔ کسی کام میں اصلاح کے حصول کی خاطر خطا ہو جائے تو اس کا ایک اجر ملتا ہے اور درست ہو تو دو ثواب۔ ایسا علم اور اجر صرف اسی شخص کو نصیب ہوتا ہے جو درجہ اجتہاد تک پہنچ جائے۔ انہیں کے بارے حدیث شریف ہے۔ **فان اخطأ فله اجر واحد وان اصاب فله اجران.** اگر غلطی کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے اور اگر درست کام کرے تو دو اجر ملتے ہیں۔

ایسے علم کو جس میں غلطی یا درستی کی جزا اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی، اس سے کیا مناسبت ہے کہ جس میں درستگی کی جزا سعادت ابدی اور غلطی کی سزا شقاوت ابدی ہو۔ اور اسرار کی معرفت انسانی جوہر ہے کہ وہ پہنچانے کہ اس کو ہلاک کرنے والی کونسی چیزیں ہیں اور سعادت بخشنے والی کونسی؟ اور وہ کیا کیمیا ہے جو ہر دل کو اسفل السافلین سے نکال کر اعلیٰ علیین تک پہنچا دیتا ہے اور اسکے لیے کونسا رستہ ہے جس پر چل کر انسان اس درجہ تک پہنچتا ہے اور اس راستے کا توشہ کیا ہے اور اس میں کونسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے انسان کو یہ راہ عطا فرمائے کہ وہ اس علم کی بو سونگھ لے تو پھر باقی سارے علوم اسکی نظروں میں حقیر اور مختصر ہو جاتے ہیں۔ لیکن چکھے بغیر کیسے جان سکتا ہے۔

مرغے کہ خبر ندارد از آب زلال
منقار در آب شور دارد ہمہ حال

چونکہ مجھے آپ زیرک محسوس ہوتے ہیں اور آپ کے جوہر سے معلوم ہو گیا ہے آپ ہر ایسے علم کے قابل ہیں جو اسرار دین سے تعلق رکھتا ہے اسلئے آپ کو متنبہ کیا گیا ہے۔ والسلام

بعض مخالفین کے نام تحریر کردہ خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب سرورِ کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ **الدنيا ملعونة و ملعون مافيها الا ما كان لله منها.** دنیا و مافیہا ملعون ہے سوائے اس چیز کے جو اس میں سے اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو۔

بلند رتبہ اور کثرت اموال بدبختی کا بیج اور تباہی کا سبب ہیں سوائے اس چیز کے جسے آخرت کا توشہ اور قیامت کا ذخیرہ بنایا جا سکتا ہے۔ ایسے شخص اور اس کے مال کے بارے حضور ﷺ نے فرمایا ہے (**نعم المال الصالح للرجل الصالح**) سب سے اچھا مال وہ ہے جو پاکیزہ ہو اور پاکیزہ آدمی کیلئے ہو۔ سب سے عمدہ اور قابل معافی وہ قربت اور سب سے زیادہ مقبول بریت اور سب سے باموقع وہ عزت ہے جو دیندار عالم اور اہل ورع کی کی جائے۔ والسلام

☆☆☆

خواجہ عباسی خوارزمی کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو۔ دینی اخوت اور علمی قرابت پختہ ترین رشتہ ہے۔ اگرچہ بظاہر آپ سے میری ملاقات نہیں لیکن باطنی تعارف ہے کیونکہ ارواح ایک مضبوط لشکر کی طرح ہیں نور نظر دلوں کی طرف ہوتی ہے نہ کہ بدنوں

کی طرف۔ جب سے میں نے آپ کی خوبیوں کے بارے سنا ہے، دل آپ کے دیدار کا مشتاق ہے۔ اس بات کا شکر گزار ہوں کہ اس گئے گذرے زمانے میں آپ جیسا شخص موجود ہے جس میں علوم شرعی، سیرت، تصوف، اور اقتداء صحابہ جمع ہیں۔ ان میں سے کسی ایک چیز پر کاربند رہنا بھی غنیمت ہے اور تینوں کا اکٹھا ہونا تو بہت ہی اچھا ہے۔ اگر آپ دعوت حق لوگوں کو دیتے اور سلام میں سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تو مکمل طور پر صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے والے ہوتے اور یہ کمال کی انتہا ہے۔ اس سے بڑھ کر اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف دوسروں کو بلائے، نیک عمل کرے اور اپنے اسلام کا اقرار کرے۔ اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ کی برکات سے ہمیں محروم نہ رکھے۔ والسلام

☆☆☆

ابن عامل کے خط کا جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ اجمعین۔ شیخ الاسلام پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمت اور عنایت ہو۔ آپ کا معزز خط موصول ہوا جس میں عظمت وبزرگی اور فضیلتُ کی خصوصیات کا تذکرہ تھا اور وہ فضائل تر و تازہ، زیادتی علم اور خلوص اعتقاد سے پر تھا۔ اسکے مطالعہ سے سرور حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اہل علم و فضل کے زمرے میں آپ جیسی شخصیات کا اضافہ کرے۔ اور علم کے عجائبات آپ کیلئے ظاہر کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے نبی کریم ﷺ کی اتباع کے سوا ہر چیز کا علم گناہ و وبال ہوتا ہے۔

حقیقی علم کا بیان

جناب سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:

من ازداد علماً ولم یزود هدیً لم یزد دمن الله تعالی الا بعدا. العلم الهادی هو الذی یدعوك من الخلق الی الخالق و من الدنیا الی الآخرة ومن التکبر الی التواضع ومن الحرص الی الزهد ومن الریا الی الاخلاص ومن الشك الی الیقین ومن سیرة المترفین الی سیرة المتقین۔

جس کا علم بڑھے اور ہدایت یافتہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور ہو جاتا ہے۔ علم ہادی وہ ہے جو تمہیں مخلوق سے خالق کی طرف، دنیا سے آخرت کی طرف، تکبر سے انکسار کی طرف، حرص سے زہد کی طرف، ریاکاری سے اخلاص کی طرف، شک سے یقین کی طرف اور بدکاروں کی خصلتوں سے پرہیزگاروں کی خوبیوں کی طرف لے جائے۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جو شخص دینی علوم میں مشغول ہوتا ہے وہ صراط مستقیم کا سالک ہے لیکن انہیں حضور ﷺ کے اس ارشاد مبارک کو نہیں بھولنا چاہیے کہ **من طلب علما مما یبتغی به وجه الله لینال به عرض الدنیا لم یجد عرف الجنة.** جس شخص نے دنیاوی عزت حاصل کرنے کیلئے علم حاصل کیا حالانکہ اس علم سے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے تو وہ جنت کی خوشبو تک بھی نہیں پا سکتا۔

اور اہل علم کیلئے اس مصیبت سے بڑھ کر کوئی نہیں کیونکہ علم وفضل کے جمع کرنے کا خطرہ مال جمع کرنے کے خطرے سے کہیں زیادہ ہے اس لیے کہ مال دنیاوی چیز ہے اور اس کے ذریعے دنیا ہی حاصل ہوتی ہے لیکن علم دین ایک دینی کام ہے اگر اسے دنیا کے حصول کا وسیلہ وذریعہ بنالیں تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے۔ **من طلب الدین باقبح ما یطلب به الدنیا کان اعذر ممن طلب الدنیا باحسن مایطلب به الآخرة.** جو شخص دین کو دنیا کی نسبت زیادہ برے طریقے سے حاصل کرے وہ اس شخص کی نسبت زیادہ معذور ہے جو دنیا کو دین کی نسبت زیادہ اچھے طریقے سے طلب کرتا ہے۔

دنیا دین کی خاطر پیدا کی گئی ہے نہ کہ دین دنیا کے لیے۔ دنیا تابع اور خادم ہے اور دین متبوع اور مخدوم۔ جو شخص مخدوم کو خادم کا وسیلہ بناتا ہے وہ قانون الٰہی کو معکوس ومنکوس بناتا ہے۔ قانون الٰہی خود تو الٹتا نہیں لیکن اس کو الٹنے والا کو داس دنیا میں الٹ پلٹ جاتا ہے لیکن اس کی ظاہری آنکھیں اس چیز کو نہیں دیکھ سکتیں۔ جب یہ آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور دوسرا جہاں نمودار ہوتا ہے تو حقیقت حال سامنے آتی ہے۔ اور جو شخص دنیا میں جس صفت سے متصف تھا اسی کے مطابق اس کی صورت بنائی جائے گی۔ مثلاً لالچی اور حریص اپنی صورت گدھے کی طرح متکبر چیتے کی طرح اور غصیل بھیڑیئے کی طرح دیکھے گا اور صاحب دنیا دینی علم ہونے کے باوجود اپنی شکل بدلی ہوئی دیکھے گا۔ اس دن اس سے کہا جائے گا۔

فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید ولوتری اذالمجرمون ناکسوا رؤوسهم عندربهم . ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون . آج ہم نے تمہاری آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھادیا ہے۔ تمہاری آنکھیں آج تیز ہیں۔ اور اگر تم دیکھو تو مجرم اپنے

رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہیں (اور زبان حال سے گویا ہیں) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھا اور سنا پس ہمیں واپس بھیج تاکہ ہم نیک اعمال کریں اور ہم پر یقین ہیں۔ تب بارگاہ الٰہی سے حکم ہوگا۔ **اولم نعمر کم ما یتذکر فیه من تذکر و جاءکم النذیر فذوقوا فما للظالمین من نصیر.** ہم نے تمہیں عمر نہیں دی۔ جس نے سوچنا تھا سوچ لیا اسکے علاوہ تمہارے ڈرانے والا بھی آیا تھا پس اب عذاب کا مزہ چکھو۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

علماء کی اقسام

علمائے دین کی تین قسمیں ہیں۔ پہلے وہ لوگ ہیں جو اخروی عذاب کی مصیبت سے غافل اور بے خبر ہیں۔ ان پر لفظ علماء کا اطلاق محض مجازی ہے۔ یہ لوگ آخرت میں شدید ترین نقصان میں ہونگے۔

دوسرے لوگ اس پریشان اور خوفناک حالت پر ماتم کناں ہیں اور آخرت کی مصیبت سے بچنے والے ہیں لیکن ہمارے زمانے میں یہ بھی شاذونادر ہی ہیں۔

تیسرا گروہ ان سے بھی زیادہ خاص ہے اور یہی لوگ ہیں جنکی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **وهم السابقون السابقون اولئك المقربون.** یہ سابقون کے سابق ہیں اور یہی لوگ بارگاہ الٰہی کے مقرب ہیں۔

وہ آنکھیں بہت خوش نصیب ہیں جنہوں نے تیسرے گروہ کے اشخاص کو یا ان اشخاص کو جنہوں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے، کاش ہم بھی ان کے دیدار کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے۔

ان تین درجوں کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے۔ **فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخیرات.** ان میں سے بعض اپنی

جانوں پر ظلم کرنے والے، بعض میانہ رو اور بعض نیکی کے کاموں میں سبقت لیجانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں اخلاص نصیب فرمائے اور اپنے فضل وکرم کے طفیل اہل جہاں کے غرور سے بچائے۔ والسلام

٭٭٭

ایک مخالف کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصول علم کی ترغیب

اللہ تعالیٰ پرہیزگاری اور سعادتمندی کو پسند کرتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو دنیاوی دھندوں کو چھوڑ کر علم و تقویٰ کا رخ کرتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے بہت کم ایسے لوگ ہیں جن کی عقل علوم کے باریک نکات سمجھ سکے۔ اور جن کی فہم و فراست اس لائق ہے اس میں سے بھی بہت کم ایسے ہیں جو اپنی ذہانت و فراست کو دنیاوی مال و اسباب جمع کرنے پر مائل نہ کریں۔ تاکہ عالم باعمل اور پرہیزگار بن سکیں۔ مخلوق کی راہبری کریں اور ان لوگوں میں سے ہو جائیں جن کے بارے ارشاد خداوندی ہے۔ **وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا بآياتنا يوقنون۔** ہم نے انہیں امام بنایا وہ ہمارے حکم کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے، صبر کرتے تھے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ نہ کہ ان لوگوں میں سے ہوں جنکے بارے فرمایا۔ **واتل عليهم نباء الذى اتيناه اياتنا فانسلخ منها** (الخ) ان کو اس شخص کی خبر سناؤ جسے ہم نے اپنی آیات دیں اور وہ گمراہ ہو گیا۔

شیطان کا حربہ

اور جو تھوڑے سے لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی طبیعت کمال علمی کے لیے موزوں اور پرہیزگاری کی قابلیت ان میں موجود ہے۔ ان پر بھی شیطان مقرر ہو جاتے ہیں تاکہ جس طرح ممکن ہو سکے باکمال ہونے سے قبل انہیں لوٹ لیں۔ ان میں سے ایک رکاوٹ قرابت داری، دوسری مال اور تیسری دشمنی ہے۔ یہی باتیں ایسے طالبعلم کو لوٹ لیتی ہیں۔

فلاں شخص میں یہ باتیں کم پائی جاتی ہیں اور اس کی طبیعت علم کیلئے موزوں اور پرہیزگاری کی صفات اس میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اگر اسے دنیاوی اسباب کی طرف سے فارغ البال کر دیا جائے تاکہ وہ باکمال ہو جائے تو اس کا نتیجہ آپ دین و دنیا میں دیکھ لیں گے۔ اور اگر آپ اسے ہر لحہ واپسی کا حکم دیں اور اسے اسباب دنیا کی ضرورت پیش آئے اور آپ کی طرف سے شفقت کی بجائے سختی روا رکھی جائے تو یہ سد راہ ہے اور حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ **لاتكن عوناً للشيطان على اخيك.** اپنے بھائی کے مقابلہ میں شیطان کے مددگار نہ ہو۔

رہی یہ بات کہ صلہ رحمی کیلئے چند روز واپس آنا رکاوٹ نہیں، تو یاد رکھو کہ بہت سے لوگوں نے اسی طرح طالبعلم سے منہ پھیر کر اس کی علمی ترقی مسدود کر دی ہے۔ طالبعلم گھر جاتے ہیں، دہلیز بلند ہوتی ہے اور تعلقات راہ کی رکاوٹ بن جاتے ہیں اور علمی سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ نصیحت کرنا میرا فرض تھا سو ادا کر دیا کہ جس چیز کی خاطر کوئی شخص پیدا کیا جائے وہ اسکے لیے آسان ہوتی ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو نیکی کرنے اور نیکی کے کاموں میں تعاون کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ والسلام

قاضی امام سعید عماد الدین محمد کی طرف خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان کے اعتبار سے تمام مومن یک جان ہیں۔ علم کا انتہائی درجہ تک حاصل کرنا ضروری ہے۔ علمائے سلف کی خصلت یہ ہے کہ علمی خصوصیات سے آراستہ ہوتے ہیں اور توشہ آخرت، ذخیرۂ قیامت اور اقتدائے امت کیلئے یہ چیز ضروری بھی ہے اور نعمت عظمیٰ ہے اس پر اظہار مسرت ومبارکباد اچھی چیز ہے۔ اگر تم اس چیز کے مخالف ہو تو بری بات ہے۔

چونکہ بے مقصد خط وکتابت تضیع اوقات اور دنیاوی رسم ہے اسلیئے بلا ضرورت میں کچھ نہیں لکھتا۔ فرمان باری ہے۔ لا خیر فی کثیر من نجوھم الامن امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس. صدقہ، نیکی یا لوگوں کے مابین صلح کرنے کے علاوہ زیادہ گفتگو میں فائدہ نہیں ہے۔ اور ان چیزوں کیلئے خط وکتابت عین مناجات ہے۔ اس خط کا باعث فلاں شخص ہے جو صاحب رائے اور صاحب علم وفضل ہے۔ فی الوقت کسی کام کیلئے آپ کی طرف آنا چاہتا ہے اور آپ کی عنایت کی اسے ضرورت ہوگی۔ اس پر عنایت فرمائیں اور عزت واحترام کیساتھ حاجت روائی کریں تاکہ آخرت میں ثواب جزیل اور اس کی طرف سے دعا اور شکر وثنا پائیں۔ والسلام۔

گمراہوں کی طرف خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پند ونصائح

شجر دین کی شاخیں بہت سی ہیں لیکن سب کی سب دو قسم کے پتوں سے خالی ہیں۔ ایک معاملہ دوسرا معرفت۔

معاملہ معرفت کا مقدمہ ہے۔ اس کا آغاز حلال لقمہ سے ہوتا ہے اور انجام اخلاص فی الاعمال پر اسکے بعد معرفت کا مقام ہے اور اس کا آغاز لاالہ الااللہ کی حقیقت سے آگاہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ **اول ماخط اللہ تعالی فی الکتاب الاول لا الہ الا اللہ الا انا وسعت رحمتی علی غضبی۔** کتاب اول میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلی تحریر یہ رقم فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میری رحمت میرے غضب سے زیادہ وسیع ہے۔

معاملہ کے ورق پر بھی یہی کلمہ تحریر ہے لیکن محض عقیدہ رکھنے سے اس صفت کا اصل مقام ہاتھ نہیں آتا۔ جب اس کلمہ کی خاص صفت نمودار ہوتی ہے تو تمام عقائد اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اور لفظوں کے چھلکے اترنے کے بعد ہی مغز نمودار ہوتا ہے۔ معرفت کے ورق پر بات جسقدر مختصر ہو اتنی ہی بہتر ہے۔ کیونکہ سالک کو اس ورق پر تحریر کسی کلمہ کی تشریح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور جسے ضرورت ہوتی ہے وہ منکر ہوتا ہے۔ اس سے گفتگو کرنا فضول جھگڑے میں پڑنے کے مترادف ہے کیونکہ ابھی تک وہ ہدایت یافتہ نہیں ہوا۔

لیکن معاملہ کے ورق پر جس قدر مفصل بات تحریر ہو اتنی ہی مفید ہے۔ پہلے بتایا ہے کہ اس ورق کی ابتدا لقمہ حلال ہے۔

طلب حلال میں تقویٰ

اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) پہلا درجہ عدل ہے۔ جس کے نہ ہونے سے عدالت، شہادت، روایت اور قضا حاصل نہیں ہوتی، علمائے شرع کے فتویٰ کے مطابق حرام مال پرہیزگاری کو باطل کر دیتا ہے۔

(۲) دوسرا درجہ نیکوکاروں کا تقویٰ ہے۔ نیک بخت شبہات میں بھی تقویٰ کرتے ہیں اگرچہ بظاہر وہ جائے حرام نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بعض صحابہؓ کو فرمایا۔ "استفت عن قلبك وان افتوك المفتون" اگر فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اپنے دل سے فتویٰ طلب کر۔ نیز فرمایا۔ دع مایریبك الیٰ مالایریبك. مشکوک کو ترک کر کے غیر مشکوک کو اختیار کر۔ ایسی چیزیں فضائل میں داخل ہیں نا کہ فرائض میں۔

(۳) تیسرا درجہ متقیوں کا تقویٰ ہے۔ ان کے بارے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ لایکون المرء من المتقین حتی یدع مالا بأس به مخافة مابه باس۔ جب تک حرام کے خوف سے مباح کو ترک نہ کرے پرہیزگار نہیں کہلا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اپنے منہ میں کنکری رکھتے تاکہ مباح بات بھی نہ کریں مبادا مباح بات کرتے وقت نا کہنے والی بات زبان سے نکل جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ایک عزیز کی چادر سے کستوری کی خوشبو سونگھی جو بیت المال کی کستوری وزن کر کے آیا تھا اور انگلی چادر پر مل دی تھی۔

آپ نے اس چادر کو اسقدر دھویا کہ خوشبو زائل ہو گئی۔ خوشبو لگی رہتی تو بھی حرج نہیں تھا لیکن آپ ڈرتے تھے کہ اس سے کہیں زیادتی کی عادت نہ پڑ جائے۔

(۴) چوتھا درجہ صدیقوں کے تقویٰ کا ہے۔ جس میں تمام مباحات کو اپنے لیے حرام سمجھا جاتا ہے۔ صرف وہ مباحات حلال سمجھے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خاطر عمل میں لائے جائیں۔ ایسے لوگوں کا کھانا، پہنا، بولنا، چلنا پھرنا سب اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتا ہے۔ اگر کھانا کھاتے ہیں تو اطاعت کی خاطر۔ اگر دوپہر کو سوتے ہیں تو تہجد کے لیے۔ اگر رات کے پہلے حصے میں سوتے ہیں تو سحری کے وقت جاگنے کیلیئے۔ ان کا بولنا ذکر اور خاموشی فکر ہوتی ہے۔ ان کی نگاہ میں عبرت ہوتی ہے۔ ان کی چشم پوشی ہیبت و حرمت ہوتی ہے اور تمام احوال میں معاملہ اللہ کیلیئے کرتے ہیں۔

جن لوگوں کو معاملہ کے ورق سے حرام حلال کی خبر مل جاتی ہے وہ تین طرح کے ہیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا...... (الخ) جن لوگوں نے عدل کے تقویٰ پر اکتفا کیا وہ مقتصد ہیں اور جنہوں نے یہ بھی پورا نہ کیا وہ ظالم ہیں۔ اور جنہوں نے آگے ترقی کی اسی پر اکتفا نہ کیا وہ سابق ہیں۔ اور جنہوں نے یہ بھی پورا نہ کیا وہ ظالم ہیں۔ اور جنہوں نے آگے ترقی کی اسی پر اکتفا نہ کیا وہ سابق ہیں۔ اور جنہوں نے اس سے بھی زیادہ کوشش کی وہ سابقوں کے سابق ہیں۔ سابقوں کا درجہ اس آخری زمانے میں مشکل، عزیز الوجود اور قریب قریب محال ہے لیکن امید ہے کہ جو لوگ اس گئے گذرے زمانے میں عدل کے تقویٰ پر کاربند ہیں اور اسکی شرائط بجا لاتے ہیں انہیں سابقون کا درجہ دے دیا جائے گا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ سیاتی علی الناس زمان من تمسک بعشر ماانتم علیه نجا. عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جو کچھ تم اس وقت کرتے ہو اگر اس کا دسواں حصہ بھی لوگ کرنے لگیں تو نجات پا جائیں گے۔ جب آپؑ سے اسکی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا۔ لا نکم تجدون علی الخیر اعوانا۔ کیونکہ تمہیں نیکی کرنے کیلئے مددگار میسر ہیں۔ اسلئے اگر کوئی یہ خیال کرے کہ جو شخص دہقانوں اور اہل بازار کے مال پر قناعت کرے وہ سابق ہے اور جو بادشاہ کا مال قبول کرے وہ ظالم ہے تو یہ خیال غلط ہے بلکہ جس طرح بادشاہوں کا مال مشتبہ ہے، اہل بازار کا بھی مشتبہ ہے، اہل بازار کا بھی مشتبہ ہے۔ اور بادشاہوں کا مال تین قسم کا ہوتا ہے۔

بادشاہوں کے مال کی قسمیں

(۱) وہ مال جو چھین کر یا جرمانہ کے طور پر لیا جائے۔ یا ایسے شخص سے خراج لیا جائے یا اس کا کوئی حصہ لیا جائے جو نا معلوم ہے تو یہ مال بھی حرام ہے۔ اگر یہ مال لینے والا صاحب مال کو واپس نہ لوٹائے تو ظالم ہے۔

(۲) وہ مال جو کسی کا رتبہ بڑھا کر، جان بخشی کر کے یا اپنے سے بڑے سے لیا گیا ہو تو ایسے مال کا لینے والا مقتصد ہے نہ کہ ظالم۔ اگر بادشاہ کے مال میں شبہ ہو تو سابقوں کا تقویٰ جاتا رہتا ہے نہ کہ عادلوں اور مقتصدوں کا۔

(۳) وہ مال جو چھینا گیا ہو لیکن اصل مالک کا علم نہ ہو۔ ایسی صورت میں شرعی فتویٰ یہ ہے کہ ایسا مال لیکر کسی مصلحت میں صرف کر دیا جائے یا درویشوں میں بانٹ دیا جائے کیونکہ بادشاہ کے پاس یہ مال ظلم و فساد کا باعث ہوگا۔ لیکن درویش اگر اپنی ضرورت کے مطابق لے یا دولتمند ہو اور اپنی ضرورت کے بجائے ضرورتمندوں میں تقسیم کر دے یا کسی دینی یا ملکی مصلحت میں صرف کرے تو جو

شخص اہل و عیال کی ضرورت سے زیادہ ایسا مال نہ لے وہ مقتصد ہے ظالم نہیں۔

فلاں شخص مدتوں ہماری خانقاہ میں رہا اس کی عادات اچھی تھیں۔ اگر اسے کبھی اپنے اہل و عیال کے لیے شاہی بیت المال، خیرات اور وقف سے کچھ لینے کی ضرورت بھی ہوتی تو اتنا ہی لیتا جو شرعاً جائز تھا۔ ایسے لوگ کمیاب ہیں جو اتنی مختصر آمدنی میں کنبہ چلاتے ہیں اور وہ بھی شریعت کے مطابق۔ اس دور میں ایسے شخص کو اپنے آپ سے جدا نہیں کرنا چاہیے۔ امید ہے کہ فلاں بھائی اور دوسرے مشائخ (اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں ان جیسے لوگوں کا اضافہ کرے) جب اس کے بارے سنیں گے تو اس کی مدد کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔ والسلام علی سید المرسلین ﷺ۔

باب پنجم

خصوصی مواقع پر بیان کردہ پندونصائح

فصل اول

نوٹ :۔ اس میں علم مناظرہ اور وعظ ونصیحت کی آفات تحریر کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ کس طرح نفس خوشی ومسرت محسوس کرتا ہے۔ شیطان اہل علم کو کیسے بھٹکا کر مناظرہ کے ذریعے استدراج میں ڈالتا ہے اور اللہ تعالٰی کی ناراضگی اور ابدی بدبختی کا باعث بنتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نصیحت کرنا اور نصیحت کی خواہش کرنا دونوں آسان ہیں لیکن نصیحت قبول کرنا مشکل ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کیلئے جو حصول علم میں مگن ہو کیونکہ اسکے خیال میں حرف علم ہی اسکے لیے نجات کا ذریعہ بن جائے گا عمل کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ لیکن حقیقت میں علم کی نسبت عمل کی زیادہ ضرورت ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ روز قیامت اس شخص کو زیادہ عذاب ہوگا جس کے علم نے اسے فائدہ نہ پہنچایا۔ اسلیئے اگر آخرت کی کامیابی چاہتے اور علم کو اپنے لیے حجت نہیں بنانا چاہتے تو چار کاموں سے بچو۔

چار ممنوعہ اعمال

(۱) مناظرہ نہ کرو کیونکہ اس سے سوائے طبعی مشق اور ریاضت کے کچھ میسر نہیں، اسکے نقصانات فوائد کی نسبت کم ہیں۔ اسلیئے کہ یہ ریا، حسد اور تکبر جیسی عادات قبیحہ کا موجب ہے لیکن اگر کوئی انتہائی مشکل درپیش ہو اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنا مقصود ہو تو مناظرہ کرو اور اسکی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس بات میں فرق نہ کرے کہ سچ اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے یا مد مقابل کی زبان سے اور دوسری بات یہ کہ مناظرہ خلوت میں ہو نہ کہ برملا۔

(۲) وعظ و نصیحت نہ کرو اور یہ بات مد نظر رکھو کہ حضرت عیسیٰ سے فرمایا تھا کہ یا ابن مریم **عظ نفسك فان اتعظت فعظ الناس والافاستحي مني**

اے ابن مریم! پہلے اپنے نفس کو نصیحت کر اگر وہ نصیحت اختیار کرے پھر لوگوں کو نصیحت کرنا ورنہ مجھ سے حیا کر۔ اگر عزیزوں کی خاطر مناظرہ کرنا پڑے تو دو باتوں سے بچنا ایک یہ کہ خوش گفتاری اور مسجع و مقفع عبارت سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ تکلف کرنے والوں کو دشمن سمجھتا ہے اگر زیادہ مسجع عبارت سے کام لیا جائے تو یہ باطنی خرابی اور عملی غفلت کی علامت ہے۔ کیونکہ وعظ نصیحت کی یہ علامت ہے کہ فکر آخرت کی سوزش انسانی دل کو بیقرار رکھتی ہے اور اس مصیبت پر گریہ وزاری کو وعظ نصیحت کہتے ہیں۔ اگر پانی کا طوفان کسی کے گھر کے دروازے تک آپہنچے اور اس کے اہل و عیال تباہی کے دہانے پر ہوں تو وہ گھر میں واویلا مچائے گا کہ بچو بچو، بھاگو بھاگو طوفان آگیا ہے۔ ایسی صورتحال میں مسجع و مقفی عبارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی مثال مخلوق خدا کو نصیحت کرتے وقت مد نظر رکھنی چاہیے۔ دوسرے اس بات کی طرف زیادہ توجہ نہ دے کہ اس کی وعظ و نصیحت

کے وقت خلق خدا نعرے مار رہی ہے، رقت طاری ہے اور شور مچ رہا ہے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ وعظ کی مجلس بہت عمدہ ہے۔ ایسا کرنا بھی غفلت اور ریا کی دلیل ہے بلکہ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ انہیں دنیا سے آخرت کی طرف، حرص سے زہد کی طرف اور غفلت سے بیداری کی طرف لائے۔ وہ مجلس سے نکلیں تو دل پر اثر لے کر نکلیں۔ ان کے باطن میں تبدیلی رونما ہو اور ظاہر اس پر دلیل ہو اور عبادات میں سستی کی بجائے چست ہو جائیں۔ اگر وعظ و نصیحت کا یہ اثر رونما ہو تب تو بہتر ہے۔ ورنہ کہنے اور سننے والے دونوں کیلئے وبال جان کے سوا کچھ نہیں۔

(۳) کسی بادشاہ کو سلام نہ کرے بلکہ ان سے میل جول بھی نہ رکھے کیونکہ ان کی ہم نشینی میں بڑا فساد ہوتا ہے۔ اگر مجبوراً ان سے ملنا بھی ہو تو لمبی چوڑی مدح سرائی نہ کرے اور واپسی پر بھی ایسا ہی کرے۔ کیونکہ جو شخص کسی فاسق کی مدح سرائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی ظالم کی درازی عمر کی دعا کرتا ہے گویا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

(۴) بادشاہ سے کچھ نہ لو خواہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہو۔ ان سے جاہ و مال کی طمع کرنا دین میں بگاڑ پیدا کرتا ہے اس طرح ظلم کی موافقت اور معاملات میں سستی لازم آتی ہے جو مکمل ہلاکت کا پیش خیمہ ہے۔

ان چار چیزوں سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بچنے کے قابل ہیں اور جو کرنے کے قابل ہیں وہ بھی چار ہیں انہیں ہمیشہ کرنا چاہیے۔

چار اعمال صالحہ

(۱) ہر معاملہ میں جو اسکے اور لوگوں کے درمیان ہے وہی رویہ روا رکھے جو وہ کسی دوسرے کی طرف سے اپنے لیے جائز سمجھتا ہے کیونکہ آدمی کا ایمان اس وقت

تک مکمل نہیں ہوتا جب تک دوسروں کیساتھ ویسا ہی سلوک نہ کرے جیسا کہ اپنے ساتھ کیا جانا پسند کرتا ہے۔

(۲) اپنے اور خالق کے درمیان ایسا معاملہ رکھے جو اس کے اور اس کے غلام کے درمیان ہے۔ جو بات غلام کی طرف سے اپنے لیے ناپسند کرتا ہے حالانکہ وہ اس کا حقیقی بندہ نہیں۔ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے بھی وہ بات پسند نہ کرے۔

(۳) ایسے علم میں مشغول ہو کہ اگر معلوم ہو جائے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر میں فوت ہو جاؤں گا تو وہ علم ترک نہ کرنا پڑے اور وہ علم نہ تو شاعری ہے نہ ترسل، نہ علم خلاف ہے نہ علم مذہب اور نہ ہی علم اصول و کلام۔ جس شخص کو اگلے ہفتے اپنی وفات کے بارے پتہ ہو تو توفیق الٰہی سے وہ مراقبہ دل اور معرفت صفات کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہیں ہوگا کیونکہ یہ علم اسے دنیاوی تعلقات اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے پاک رکھے گا اور محبت الٰہی اور صفات الٰہیہ سے مزین کرے گا۔ اگر کسی کو اطلاع دیں کہ بادشاہ تجھے سلام کرنے آئے گا تو اس ہفتہ وہ کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوگا صرف بادشاہ کے پسندیدہ کام کرے گا۔ اپنے بدن، لباس اور مکان کو صاف ستھرا کرے گا اور عمدہ چیزوں سے آراستہ کرے گا اور اللہ تو فقط دلوں کو دیکھتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ **ان اللہ تعالیٰ لا ینظر الی صورکم ولا الی اعمالکم وانما ینظر الی قلوبکم.** اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

(۴) دنیاوی مال صرف اتنا کمائے جو اسکے گزارے کیلئے کافی ہو۔ جناب سرور کائنات ﷺ نے بھی صرف اتنا مال اپنے اہل بیت کیلئے کافی سمجھا۔ چنانچہ بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ **اللھم اجعل قوت ال محمد کفافا.** اے پروردگار! آل محمد کو ضرورت کے مطابق رزق عطا فرما۔ نیز فرمایا **من اخذ من**

الدنیا فوق مایکفیه اخذ جیفة وهو لایشعر۔ جو شخص ضرورت سے زیادہ دنیا سے لیتا ہے وہ مردار ہے اگرچہ اسے شعور نہیں۔

فصل دوم

نوٹ: اس شخص کیلئے لکھی جس نے ہدایت الہدیت لکھی تھی اس میں ان اوصاف اور شرائط کا ذکر ہے جو ایک طالب علم میں ہونی چاہئیں تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ ہدایۃ الہدایۃ پڑھ سکے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہست و نیست

جو کچھ تم نے اس کتاب میں تحریر کیا ہے وہ ہدایت کا آغاز ہے نہ کہ انجام۔ ہدایت کی علامت یہ ہے کہ یک نفس یک ہمت، یک خیال اور یک دیدار ہو جاؤ۔ یک نفس سے مراد یہ ہے کہ گذشتہ و آئندہ کا خیال دل سے یکسر نکال دو۔ گذشتہ کل اور آئندہ کے کل کی فکر نہ رہے اور نہ ہی ان کا غم رہے۔ بلکہ صرف موجود حالت کی نگہداشت کرے۔ کیونکہ جو گذشتہ ہے وہ یقینی طور پر نیست ہے اور جو آئندہ ہے ممکن ہے وہ بھی نیست ہو۔ سوائے موجودہ دم کے کوئی بھی یقینی نہیں۔

یک ہمت کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ حالت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز مقصود نہ ہو۔ اسی کی طرف رخ کرے، اسی کا ذکر کرے بلکہ مشہود کی بجائے دیدار کو مد نظر رکھے۔ ان سب کا ایک اور بھی درجہ ہے۔

یک خیال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے خیال کو با آسانی دل سے دور کر سکے اور جو کام غیر اللہ کے بارے ہو اسے فوراً دل سے دور کر دے۔ الدنیا ملعونة و ملعون مافیها الا ذکر الله وما والاه. ذکر الٰہی کے علاوہ دنیا و مافیہا کی ہر چیز ملعون ہے۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے بغیر ہے وہ دنیا و مافیہا میں شمار ہوتی ہے۔ یک دیدار کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو دیکھے اس میں اللہ تعالیٰ کو دیکھے۔ کیونکہ سوائے ذات حق کے کوئی وجود حقیقی نہیں ہے۔ باقی تمام ہست نما نیست ہیں۔

ان تمام چیزوں کے مدارج ہیں اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات نصیب ہوتے ہیں جو ان کو تبدریج طے کرے گا وہ ہدایت کے شروع سے آخر تک پہنچ جائے گا۔ والسلام

فصل سوم

نوٹ: یہ فصل ملحد اور بے دین اباحتیوں کے بارے تحریر کی ہے کہ شیطان کیسے ان پر اپنا سکہ جما کر بہکاتا ہے اور یہ کہ ایسے لوگ سب سے برے ہوتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ ستفترق امتی بثنین وسبعین فرقة. الناجية منها واحدة۔ عنقریب میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان میں سے ایک نجات پر ہوگا۔ باقی سب ہلاک ہونگے۔ اتنے زیادہ فرقوں میں تقسیم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امت کے اصل میں تین گروہ ہیں۔ اچھے، درمیانے اور برے۔

امت کے گروہ

سب سے اچھے لوگ صوفیاء ہیں جنہوں نے تمام مردار خواہشوں کو حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر چھوڑ دیا ہے۔ اور سب سے برے وہ ہیں جو ظلم کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، شہوت کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کر گذرتے ہیں۔ ایسے لوگ اس بات پر مغرور ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اور اسی بات پر بھروسہ کر کے اہل صلاح میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک کے چوبیس فرقے ہو گئے ہیں اور باہم ملا کر بہتر بن جاتے ہیں۔ ان کی زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ شیطان نے صوفیوں سے حسد کیا کیونکہ وہ مخلوق میں سب سے اچھے تھے اور کسی نافرمانی اور شہوت سے آلودہ نہیں تھے۔ پھر بدکاروں سے حسد کیا اور کہا کہ اگرچہ یہ امت میں سب سے برے ہیں لیکن ممکن ہے کہ اپنی بے عزتی اور نقصان کا خیال کر کے توبہ کر لیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ میں کوئی ایسی تدبیر کروں کہ صوفی لوگ نافرمان ہو جائیں اور بدکار بدکاری میں اندھے ہو جائیں تاکہ اپنی بدکاری اور رسوائی کا انہیں احساس ہی نہ رہے۔ اسطرح اس نے صوفیوں اور بدکاروں کو باہم ملانا چاہا۔ صوفیوں کو اس نے کہا کہ تم آرام کرو، اپنے آپ کو کیوں اتنی تکلیف دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری بندگی کی کیا ضرورت ہے اور تمہاری نافرمانی سے اسے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ تکالیف سے غرض یہ ہے کہ عوام الناس ضبط میں رہیں اور دنیاوی مال کیلئے باہم دنگا و فساد نہ کریں اور اطاعت سے مراد قرب الٰہی ہے اور وہ تمہیں حاصل ہے۔ پھر ناحق جان کو تکلیف پہنچانا اور دنیاوی لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا بیوقوفی اور حماقت نہیں

تو اور کیا ہے۔ جب ان لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا گیا اور وہ متاثر ہوئے تو دنیاوی خواہشات کے پیچھے پڑ کر نافرمانی کرنے لگے۔ عورت اور بال بچوں کو مباح کر دیا اور صوفیوں کے لباس میں زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کریم ہے لیکن ساتھ ہی شدید العقاب بھی ہے اور یہ کہ انکا قرب اور درجہ پیغمبروں کے قرب و درجہ سے بڑھ کر نہیں۔ جب تمام پیغمبروں نے اطاعت و عبادت کو نہیں چھوڑا تو یہ کیوں دربدر ہوتے ہیں۔ پس جب شیطان نے ان کے دلوں میں پودا لگا دیا جو اچھی طرح پھلنے پھولنے لگا تو ان کی طرف سے فارغ ہو گیا کہ اب یہ اصلاح کی طرف نہیں آئیں گے اور قابل علاج نہیں رہیں گے کیونکہ یہ اچھی طرح دنیاوی شہوات کا شکار ہیں صوفیوں کے لباس میں زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی کا مقرب خیال کرتے ہیں۔ اچھی طرح جان لو کہ یہی لوگ فی الحقیقت تمام مخلوقات سے برے ہیں، لاعلاج ہیں، ان سے مناظرہ کرنا اور انہیں وعظ و نصیحت کرنا بالکل بے سود ہے۔ ایسے لوگوں کی بیخ کنی اور خون ریزی مباح بلکہ واجب ہے۔ اسکے سوا اور کوئی اصلاح کا طریقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو بات برہان و قرآن سے نہیں کرتا، تلوار اور نیزے سے کرتا ہے۔

فصل چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین. آپ نصیحت کرتے رہیں کہ نصیحت کرنا مومنوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اگر تم سعادتمند بننا چاہتے ہو تو جان لو کہ سعادت کے تین اصول ہیں۔

سعادت کے اصول

ملازمت، مخالفت، موافقت

(۱) پہلا اصول ملازمت (لگے رہنا) ہے یعنی ہر حال میں ذکر الٰہی کرتے رہو، جہاں تک ممکن ہو کسی طور کسی بھی وقت اس سے خالی نہ رہو۔

(۲) نفس کی مخالفت کرو تاکہ حرص و ہوا اور نفس امارہ عاجز ہو کر تمہارے قیدی بن جائیں اور تمہیں ذکر الٰہی سے باز نہ رکھیں کیونکہ اگر انہوں نے تم پر غلبہ پا کر تمہیں قیدی بنا لیا تو حق تعالیٰ سے دور کر دیں گے۔

(۳) موافقت سے مراد یہ ہے کہ شرعی حدود اور سنن و آداب کی موافقت کی جائے تاکہ تمام حرکات و سکنات ظاہر اور تمام خیالات و ظن و تخمین باطنا شرعی حدود کے مطابق ہو جائیں۔

جب تمہیں ان تینوں کی توفیق حاصل ہو جائے تو دل ذکر سے معمور ہو جائے گا۔ تمام اعضاء فرمانبرداری اور نفسانی صفات مغلوب ہو جائیں گی اور مکمل سعادت مندی نصیب ہو جائے گی۔ اگر شروع میں کوئی صورت یا نور دیکھو تو اس پر دل نہ لگاؤ، نہ اس کی طرف توجہ دو اور نہ ہی اس چیز کو بڑا سمجھو اور اگر یہ چیزیں نظر نہ آئیں تو بھی دل کو ان کی طرف نہ مشغول ہونے دو۔ اگر ان تین اصولوں پر کاربند رہو گے تو ظاہر و باطن آباد ہو جائے گا۔ والسلام

فصل پنجم

نوٹ: یہ نصیحت شہاب الاسلام کو اس وقت کی گئی جب وہ قلعہ ترمذ سے رہا ہو کر طوس میں آیا اور جمعہ کے روز جامع مسجد میں نماز کے بعد امام غزالیؒ نے اسکے ساتھ ملاقات کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ **ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون۔** ہم انہیں بڑے عذاب سے قبل چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ برائی سے بچ جائیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں اپنے دوستوں پر بے شمار ہیں اسی طرح اس کی تدبیریں بھی اس کے دشمنوں کے لیے بہت طرح کی ہیں۔ **ومکر وامکرا ومکرنا مکرا وھم لایشعرون.** انہوں نے بھی داؤ کھیلا اور ہم نے بھی تدبیر کی لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ فرعون کو چار سو سال تک سر درد بھی نہ ہوا تو اس کی گمراہی اتنی بڑھی کہ خدا بن بیٹھا۔

قلعہ ترمذ والا معاملہ ایک قسم کی تنبیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ایسے ہی ہوا کرتی ہیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنے بندوں اور دوستوں کو اپنی طرف بلاتا ہے کہ شاید وہ لوٹ آئیں اور ابدی بدبختی سے بچ جائیں اور خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ جب اللہ نے آپ پر مہربانی فرمائی اور اس کا نتیجہ بھی سامنے آیا تو اب اسکی عنایات کا اثر تمام اعضاء پر بھی ہونا چاہیے۔ اور اعضاء پر اس کا اثر یہ ہے کہ اگر وہ آنکھ پر ظاہر ہو تو ہر آن توحید اور انوار الٰہی کا مشاہدہ کرے، اگر زبان پر ظاہر ہو تو زبان ذکر حق میں مشغول ہو، اگر دل پر ہو تو ہر وقت شہود حق میں مشغول رہے اور ماسوا سے منہ پھیر لے، اگر قدم پر ظاہر ہو تو راہ حق کی طرف ہی اٹھیں اور اگر کسی بھی عضو پر اثرات ظاہر ہوں تو سمجھ لو کہ عنایات کا آغاز ہو گیا ہے۔

وقت کو غنیمت سمجھ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو جانا چاہیے ورنہ عذاب اکبر کیلئے تیاری کر لیں۔ عذاب اکبر دوزخ کی آگ سے نہیں ہو گا بلکہ دلی عذاب ہو گا جو

روحانی آگ سے دیا جائے گا۔ **نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ.** اللہ تعالیٰ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر ظاہر ہو گی۔ اور بارگاہ الٰہی سے حجاب ہو گا۔ **کلاانھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون ثم انھم لصالوا الجحیم۔** خبردار! اس دن وہ اپنے رب سے محجوب ہونگے اور پھر انہیں دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ دل وزبان پر وہی چیز جاری کرے جو باعث نجات ہو اور دونوں قسم کے عذابوں سے بچائے اور سعادت ابدی، قربت حق اور رضائے الٰہی کا سبب بنے۔

فصل ششم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبادات میں اخلاص

دنیاوی آفات بکثرت اور آسمانی بلائیں متواتر جاری رہتی ہیں۔ دل پریشان اور تگ و دو حصول دنیا کیلئے، خیالات راہ حق سے پھرے ہوئے ہیں اور دنیاوی، ناپائیدار اور بے حقیقت اشیاء پر لگے ہوئے ہیں۔ **ان اللہ لا یغیر مابقوم حتی یغیروا مابانفسھم.** اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود بدلنے کی سعی نہ کرے۔ چونکہ خلق خدا دنیاوی کاموں میں ہمہ تن مصروف ہے اسلیئے دنیا نے اچانک اسے پیٹھ دکھلائی ہے **والحریص محروم۔** اور حریص شخص محروم ہی رہتا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ ہمیشہ اطاعت و عبادت میں مشغول اور دنیا و مافیہا سے روگرداں رہیں۔ اور اس عبادت کا مقصد دنیاوی اخلاص، لوگوں کی تعریف اور ثواب کا حصول نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہو۔ اگر اطاعت میں اخلاص ہو گا تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو گا اور وہ اطاعت بھی بارگاہ الٰہی کے لائق ہو گی۔ اس طرح ارواح اور روحانیت کے درمیان مناسبت کا یقین ہو جائے گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو دعا مانگیں گے یا جس چیز کی خواہش کریں گے بہت جلد قبول ہو گی جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ وادعونی استجب لکم۔ تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا۔ یہ فرمان انہیں لوگوں کے حق میں ہے جو اخلاص سے کام لیتے ہیں وگرنہ ان شرائط کے بغیر دعا کرنا بے سود ہے۔ والسلام۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ وخیر خلقہ ونور عرشہ
محمد وآلہ واصحابہ .واھل بیتہٖ وذریتہٖ اجمعین
برحمتك یا ارحم الراحمین